ترجمہ
انوار الھدیٰ
فی مسألة العصمة والخطاء
مصنف
سید اسد اللہ شاہ غالب گیلانی

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور ان کے اصحاب کفار پر سخت ہیں جبکہ آپس میں رحم دل،
تُو انھیں رکوع و سجود میں، اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رضا کی تلاش میں دیکھے گا۔ (سورہ الفتح، 29)

دَورِ حاضر کے زیرِ بحث مسئلہ

عصمت و خطاء کے موضوع پر ایک مدلل تحریر

انوارُ الھدیٰ

فی مسئلة العصمة والخطاء

---- تصنیفِ لطیف ----

پیر سیّد اسد اللہ شاہ غالب نقشبندی مجددی الگیلانی

زیبِ آستانہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ، چورا شریف

نام کتاب	''انوارُ الہدیٰ، فی مسئلۃ العصمۃ والخطاء''
مصنف	پیر سیّد اسد اللہ شاہ غالب نقشبندی مجددی الگیلانی
	زیبِ آستانہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ چوراشریف
تعداد	گیارہ سو
ضخامت	60 صفحات
کمپوزنگ	ڈاکٹر قمر وحید، شفیق احمد مجددی
ٹائٹل	زیڈ۔ایم گرافکس، گوجرانوالہ۔
شائع کردہ	پیر سید سیف اللہ شاہ خالد ایڈووکیٹ ہائی کورٹ
سن اشاعت	فروری 2021ء
ہدیہ	150 روپے صرف
رابطہ	محمد اسامہ زمان نوری، گوجرانوالہ،
	فون نمبر 03226505041

اِنتساب

اُم السادات، مخدومۂ کائنات، دُخترِ مصطفیٰ، بانوئے مرتضیٰ، اُم الآئمہ، سیّدہ، عابدہ، زاہدہ، طیبہ، طاہرہ، ظاہرہ، عارفہ، کاملہ، عالمہ، فاضلہ، عاقلہ، صادقہ، اصدقہ، شافیعہ، قاسمہ، راحمہ، شاہدہ، عادلہ، ناظرہ، ناصرہ، صابرہ، شاکرہ، محدثہ، مفسرہ، ذکیہ، اذکیہ، ہادیہ، مہدیہ، سیّدۃ النساء فی العالمین، اُم الحسنین الکریمین الطیبین والطاہرین، اُم السبطین، بتول، شانِ کائنات، جانِ کائنات، راحتِ کائنات، سردارِ خواتینِ جہاں و جنان، میرے آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورِ نظر و تفسیر آیۃ انا اعطینک الکوثر،

حضور خاتونِ جنت **سیّدہ فاطمۃ الزہرا** سلام اللہ تعالیٰ علیہا

ورضی اللہ تعالیٰ عنہا

..... کے نام ......

سیّدہ ! اے سیّدۂ کائنات

پیکرِ تطہیر و جملہ کل صفات

جگر گوشۂ امام المرسلیں

مرجع کل درود والصلات

ہدیۂ عقیدت، پیر سیّد اسد اللہ شاہ غالب، چورا شریف

فرمانِ ذیشان

امامِ ربانی، قندیلِ نورانی، شہبازِ لامکانی، غوثِ صمدانی،

حضرت مجدد الف ثانی

رحمۃ اللہ علیہ

''یقین تصور فرمائیند کہ فسادِ صحبتِ مبتدع زیادہ از صحبتِ کافر است و بدترین جمیع فرق مبتدعانِ جماعت اند کہ باصحابِ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام بغض دارند۔''

(دفتر اوّل، مکتوب، 54)

یقین جانئے! کہ بدعتی کی صحبت کا فساد، کافر کی صحبت کے فساد سے بھی زیادہ ہے اور تمام بدعتی فرقوں میں بُرا وہ فرقہ ہے، جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابِ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بغض رکھتا ہے۔

فہرست عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار

مقدمہ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمدللّٰہ ربّ العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیّدنا و حبیبنا و کریمنا و شفیعنا محمد صلی اللّٰہ علیہ و علیٰ آلہٖ و سلم و صحبہٖ اجمعین و علیٰ کل من تبعھم اِلیٰ یوم الدین۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آلِ پاک اور اہلِ بیتِ اطہار سے عقیدت ومحبت ومؤدت ہم اہل سنت کے ایمان کا جزو ہے اور اہل بیت سے عقیدت ومحبت کے بغیر کسی کا ایمان مکمل ہونا ممکن ہی نہیں۔ اِسی لیے اہل سنت کا ہر ایک فرد اہل بیت کی محبت واُلفت سے سرشار نظر آتا ہے۔

امام قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ومن توقیرہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم و برہ بر آلہٖ و ذُریتہٖ و اُمھات المؤمنین ازواجہٖ“۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم واطاعت میں سے یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ، آپ کی آل اور ذُریت کے ساتھ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں اُمہات المؤمنین سے بھلائی کرے۔ (الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم شرح الشفاء ج 2، ص 81)

امامِ ربانی، قندیلِ نورانی، شہبازِ لامکانی، غوثِ صمدانی، حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب گرامی میں یوں رقمطراز ہیں: در باین محبت کہ نسبتِ بقرباءِ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ پیدا شدہ است رشتۂ اُمیدواری تمام بدست آوردہ است۔“ جومحبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرباء کے ساتھ پیدا ہوگئی ہے، اس سے بڑی امید حاصل ہوگئی ہے۔ (دفتر اوّل، مکتوب، 55)

اہل سنت کا امتیاز و افتخار ہی یہی ہے کہ ہم ہر اُس ہستی کا احترام و اکرام کرتے ہیں، جس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ بابرکات کے ساتھ ہو، خواہ وہ اہل بیت ہوں یا صحابہ کرام۔

کچھ عرصہ قبل ایک گروہ نے محبتِ اہل بیت کی آڑ میں اصحابِ رسول ﷺ پر بالخصوص تاجدارِ صداقت، سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذاتِ ستودہ صفات پر انتہائی ناز یبا اور ناقابلِ برداشت حملے تواتر کے ساتھ کرنا شروع کر دیئے۔ ان لوگوں کی یہ بے ادبی اور حد درجہ گستاخی تو سمجھ میں آتی ہے، جو صدیوں سے چلی آ رہی ہے۔ مگر شومئی قسمت، اس بار ہمارے گروہ سے کچھ زر پرست اور جاہ پرست نام نہاد گدی نشین اور علماء بھی ان کا ساتھ دیتے ہوئے ظاہری لبادہ اہل سنت کا اوڑھ کر عقائدِ باطلہ روافضہ کی ترویج و اشاعت کرتے ہوئے سرگرم نظر آئے، جو کہ اہل سنت صاحبان درد کے لیے باعثِ تشویش امر تھا۔ اس گمراہ ٹولے کے رویے اور عقائدِ باطلہ کا ردّ انتہائی ضروری ہو گیا تھا۔

سب سے پہلے انگلینڈ سے میرے فاضل دوست ممتاز مذہبی سکالر جناب علامہ پیر خورشید عالم صابری صاحب سے جب فون پر بات ہوتی تو انھوں نے اس طرف میری توجہ مبذول کرائی کہ اس معاملہ پر آستانہ عالیہ چوراشریف کے مشائخ کا مؤقف ضرور آنا چاہیے۔

چندروز بعد برادرانِ ذی وقار، جناب پیر سیّد بدر مسعود شاہ صاحب اور جناب پیر سیّد مطیع قادر شاہ صاحب میرے گھر تشریف لائے، تو اس معاملہ پر سیر حاصل گفتگو ہوئی اور میرے ان دونوں بھائیوں نے مجھے اس مسئلہ پر ایک مقالہ تحریر کرنے کا حکم

دیا۔اور یہ بات بالکل حقیقت ہے کہ اس معاملہ میں اگر میرے ان دونوں بھائیوں کی راہنمائی اور حوصلہ افزائی شاملِ حال نہ ہوتی تو شاید مَیں یہ کام مکمل نہ کر سکتا۔مسوّدہ مکمل کر کے بعض اسباب کی بناء پر مَیں نے اسے شائع کرانے کا ارادہ ترک کر دیا مگراس وقت میرے بے مثال اور انتہائی محبوب دوست جناب پیر شاہ محمد احرار صاحب، جناب پیر توصیف النبی صاحب اور جناب طیب طاہر مبین صاحب نے مجھے اس کو شائع کرانے پر ذہنی طور پر تیار کیا۔عبارات کی تصحیح و تخریج میں علامہ محمد اویس احراری صاحب اور علامہ محمد ریحان نقشبندی احراری صاحب نے خوب مدد فرمائی۔ جبکہ اس کتاب کی تزئین اور پرنٹنگ کی تمام ذمہ داریاں صاحبزادہ اسامہ زمان نوری صاحب نے ادا فرمائیں۔خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں، جناب محمد شفیق احمد مجددی صاحب جنہوں نے اس کتاب کی کمپوزنگ اور اغلاط کی نشاندہی اور درستگی میں بہت محنت کی اور انتہائی محبت کے ساتھ کام کو نبھایا۔

مَیں نے کوشش کی ہے کہ عقیدۂ حق اہل سنت کی اس وضاحت میں قرآنِ کریم کی آیاتِ بینات اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کی وہ روایات زیرِ تحریر لاؤں، جو سند اور روایت کے لحاظ سے صحیح اور ثقہ ہوں تاکہ ان روایات کو قبول کرنے میں کسی بھی قسم کا تأمل اور تردّد کسی کی طبیعت میں درپیش نہ آئے اور ساتھ ساتھ یہ بات بھی سامنے آجائے کہ اس عقیدہ پر جو دلائل دیئے جارہے ہیں، ان کی بنیاد دوسرے ٹولے کی طرح موضوع اور ضعیف روایات کے سہارے پر نہیں اور نہ ہی قیاس کی ڈوریاں جوڑ جوڑ کر اس کو تشکیل دیا گیا۔ بلکہ ہمارا موٴقف الحمدللہ! واضح، دوٹوک اور چڑھتے ہوئے سورج کی طرح روشن اور عیاں ہے۔اور اس عقیدے کی بنیاد آیاتِ قرآنی اور رسول اللہ ﷺ

کی اصح روایات پر مبنی، ارشادات پر قائم ہے۔ مَیں اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں۔ کتاب پڑھنے کے بعد آپ کی آرائے سے معلوم ہو گا۔ مَیں آخر میں اپنی علمی بے بضاعتی کا اقرار کرتا ہوں، اگر اس کتاب میں کوئی ایک لفظ یا جملہ کسی بھی ہستی کے شان وادب کے مطابق نہ ہوتو مَیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بارگاہ سے معافی کا طلبگار ہوں۔

پیر سیّد اسد اللہ شاہ غالب،

سجادہ نشین، آستانہ عالیہ نوریہ چورہ شریف۔

تقدیم

(از محمد شعیب سرہندی مدظلہ)

عزیزم اسداللہ شاہ غالب صاحب کے ساتھ میرا دو جہتی تعلق ہے، پہلا تعلق تو چوراشریف کی سرہند شریف اور حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رُوحانی نسبت کی بناء پر ہے اور دوسرا تعلق ان کے ساتھ میرا ذاتی قلبی وحُبی تعلق ہے۔ گزشتہ عرصہ ملک پاکستان میں ''خطا'' اور ''عصمت'' کے موضوع پر ایک عجیب مباحثہ ومجادلہ رونما ہوا، جس کی آڑ میں انتہائی مقدس ہستیوں کی بے ادبی اور گستاخی کی گئی۔ یہ معاملہ تو قابل بحث تھا ہی نہیں، کیونکہ اس مسئلہ پر قرونِ اولیٰ سے ہی اہلسنت کا مؤقف واضح اور دو ٹوک ہے۔ اگرچہ علمائے اہلسنت نے سوشل میڈیا پر اپنے مؤقف کو واضح کیا، مگر اس کے باوجود مَیں ذاتی طور پر اس تشنگی کو محسوس کر رہا تھا کہ کاش کوئی مردِ مجاہد اُٹھے اور اس مسئلے اور عقیدے پر اہلسنت کے مؤقف کو مدلل اور علمی انداز سے تحریر کر دے تا کہ موجودہ اور آنے والی نسلوں کو بھی اس سے راہنمائی ملتی رہے۔

الحمدللہ! میرے لیے یہ بات انتہائی مسرت کا باعث ہے کہ یہ علمی اور مجاہدانہ فریضہ کسی اور کے نہیں بلکہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک سچے غلام کے حصے میں آیا ہے اور اس سے بڑھ کر اہم بات یہ کہ عزیزم اسداللہ شاہ غالب صاحب کا تعلق

ایک خالص سیّد گھرانے سے ہے۔ گویا اسداللہ شاہ صاحب دو بہترین نسبتوں کے حامل ہیں، نسبتِ سادات گیلانیہ اور نسبتِ مجددیہ۔ شاہ صاحب کی تحریر کا اُسلوب، قوی دلائل اور حسنِ ادب وحسنِ عقیدت میں ڈھلا ہوا نظر آتا ہے۔ شاہ صاحب نے انتہائی دقیق اور عمیق مسئلے کو جہاں بھرپور علمی دلائل سے روشن اور واضح کیا ہے، وہیں اپنی تحریر کے ایک ایک لفظ کو ان عظیم ہستیوں کے ادب اور عقیدت کے دائرے میں رکھتے ہوئے علماء اور عوام کو یہ بات بھی سمجھا دی ہے کہ اپنے مؤقف اور عقیدے کو دائرۂ ادب میں رہ کر بھی جاندار طریقے سے بیان کیا جا سکتا ہے۔ مَیں آستانہ عالیہ سرہند شریف اور حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے ایک خادم کی حیثیت سے پیر سیّد اسد اللہ شاہ غالب، سجادہ نشین آستانہ عالیہ چورا شریف کی اس تحریر اور مؤقف کی دل وجان سے تائید اور حمایت کرتا ہوں۔

سیّد محمد شعیب سرہندی

خادمِ خانقاہِ مجددیہ، سرہند شریف، پنجاب، انڈیا۔

تائید

(از مشائخِ عظام آستانہ عالیہ نوریہ چوراشریف)

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمدللہ! جب بھی حق کو دبانے کی کوشش کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے بعض حضرات کو منتخب فرمالیتا ہے، جو حق کو واضح کرتے ہیں اور شکوک وشبہات کو رفع کرتے ہیں۔ پچھلے کچھ عرصہ سے سیّدہٗ کائنات، فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اور افضل البشر بعدالانبیاء سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے درمیان ہونے والی گفتگو کو ایک جھگڑا کا رنگ دیا گیا اور اس کے نتیجے میں ان متبرک اور پاک ہستیوں کو ہدفِ تنقید بنایا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بعض حضرات نے عربی زبان کے الفاظ کو اُردو زبان کے معانی کا لباس پہنایا اور پھر ہر کس وناکس نے اسے بازیچۂ اطفال بنایا۔

اس سلسلہ میں ہمارے بہت عزیز بھائی، علامہ سیّد اسداللہ شاہ غالب صاحب نے قلم اُٹھایا اور علمی طور پر چوراشریف کے سجادگان کے مؤقف کو تحریری شکل میں جمع کر کے اس معاملہ کے تمام پہلوؤں کو واضح کر دیا اور عقائدِ اہلسنت کے حق ہونے کو ثابت کر دیا۔ اس موضوع پر قوی دلائل دیئے گئے ہیں، جن کو اگر پھیلایا جائے تو ایک ضخیم کتاب بن سکتی ہے۔ اگر انسان کا دل صاف ہو اور حق کو قبول کرنے کی قابلیت رکھتا ہو تو یہ دلائل و براہین

کافی ہیں لیکن جو دل زنگ آلود ہوں، ان کے لیے کئی دفتر بھی کم ہیں۔

جو حضرات عقائدِ اہلسنت کو سمجھنے کی طلب رکھتے ہوں، ان کے لیے یہ کتاب بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ پیر سیّد اسد اللہ شاہ غالب صاحب کو سلامتی کے ساتھ عمر دراز عطا فرمائے اور یہ خوبصورت کوشش بارگاہِ صمدیت اور بارگاہِ سیّدہ پاک رضی اللہ عنہا میں شرفِ قبولیت پائے۔

پیر سیّد بدر مسعود شاہ گیلانی
پیر سیّد اویس محبوب شاہ گیلانی
پیر سیّد مطیع قادر شاہ گیلانی
پیر سیّد فیصل محمود شاہ گیلانی
پیر سیّد حسنین فاروق شاہ گیلانی

(آستانہ عالیہ نوریہ چورا شریف)

تقریظ

مفتیِ کشمیر، حضرت علامہ مفتی محمد حسین چشتی،

بانی و مہتمم؛ سنّی حنفی دارالعلوم (رجسٹرڈ) عباس پور، آزاد کشمیر

و مرکزی امیر؛ جماعت اہلِ سنّت جمّوں و کشمیر۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ حضرت فیضو رِجحت، جامعِ شریعت و طریقت، علّامہ پیر سیّد اسداللہ شاہ صاحب غالب نقشبندی مجددی گیلانی، زیبِ آستانہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ چورا شریف نے اپنا تحقیقی مقالہ ''انوار الہدیٰ فی مسئلۃ العصمتِ والخطا'' راقم الحروف کو بھیج کر اس پر نظر ثانی اور چند تائیدی کلمات لکھنے کا حکم فرمایا۔ آپ کی تحقیق پر راقم آثم ہیچ منداں کیا تائیدی کلمات لکھے۔

''من آنم کہ من دانم'' البتہ انتہائی خوشی و مسرّت ہوئی کہ پیر صاحب قبلہ جو ایک طرف ایک عظیم روحانی خانقاہ کے سجادہ نشین ہیں جبکہ دوسری طرف منہاج القرآن یونیورسٹی کے فاضل ہیں۔ حضرت پیر صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے مسئلہ عصمت و خطاء پر خوب اچھی طرح روشنی ڈالی ہے اور اہلِ سنّت و جماعت کے مؤقف و نظریہ کو واضح فرمایا ہے۔ فجزا کم اللّٰہ تعالیٰ۔

حضراتِ اہل سنّت و جماعت کثّرہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرشتے اور نبی معصوم عن الخطاء ہوتے ہیں، ان کے علاوہ اور کوئی معصوم نہیں ہوتا۔ ہاں! اہل بیتِ اطہار، صحابہ کبّار، اور صلحائے اُمّت رضی اللہ عنہم محفوظ عن الخطاء ہوتے ہیں۔

چنانچہ اعلیٰحضرت امام احمد رضا خان فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ ارشد اور سلسلۂ خیر آبادی کے شاگردِ رشید مولانا محمد امجد علی اعظمی قادری رضوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''بہارِ شریعت'' میں فرماتے ہیں کہ؛

عقیدہ

''نبی کا معصوم ہونا ضروری ہے اور یہ عصمت نبی اور ملک کا خاصہ ہے کہ نبی وفرشتہ کے سوا کوئی معصوم نہیں۔ اماموں کو انبیاء کی طرح معصوم سمجھنا گمراہی اور بددینی ہے۔ عصمتِ انبیاء کے یہ معنیٰ ہیں کہ ان کے لئے حفظِ الٰہی کا وعدہ ہولیا۔ جس کے سبب ان سے صدورِ گناہ شرعاً محال ہے بخلافِ ائمہ واکابر اولیاء کہ اللہ عزّ وجلّ انہیں محفوظ رکھتا ہے، ان سے گناہ ہوتا نہیں اگر ہو تو شرعاً محال بھی نہیں۔''

(بہارِ شریعت، حصّہ اوّل ص (11) مطبوعہ غلام علی اینڈ سنز لاہور)

''بہارِ شریعت'' کی خصوصیّت یہ ہے کہ اس کے ابتدائی حصّوں کو اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے براہِ راست (خود) ملاحظہ فرما کر ان کی تصدیق فرمائی ہوئی ہے۔

یاد رہے۔! کہ ائمہ وغیر ہم کو معصوم جاننا رافضیوں کا عقیدہ ہے۔ چنانچہ حضرت غوثِ اعظم شیخ سیّد عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ؛ ''والذی اتفقت علیہ طوائف الرافضة وفرقها اثبات الامامة عقلاء وان الامامة نصّ وان الآئمة معصومون من الآفات من الغلط والسّهو والخطاء''

اور سب گروہِ رافضیہ کا اتفاق اور یقین اس پر ہے کہ امامت کا ثبوت عقل پر ہے اور امامت نص سے ثابت ہے اور ائمہ جمیع آفات اور غلطی اور سہو اور خطاء سے پاک

ہیں۔(زبدۃ السالکین ترجمہ غنیۃ الطالبین: ص 164۔مطبوعہ مطبع نولکشور لاہور سنہ 1892ء)

اس موضوع پر غوث الامّت، مجدّد الملّت حضرت قبلہ پیر سیّد مہر علی شاہ گیلانی گولڑہ شریف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتب میں تسلّی بخش وضاحت فرمادی ہے۔چنانچہ آپ فرماتے ہیں؛"الحاصل، آیتِ تطہیر کا مورد خواہ اُمہات المومنین ہوں فقط آلِ کساء یا صرف آلِ کساء علیہم السّلام ایسا ہی تطہیر دررنگِ انزالِ احکامِ شرعیہ ہو یا درصورتِ عفو و مغفرت بہر کیف خطاء کا صدور مطہّرین سے ممکن ہے"۔(فتاویٰ مہریہ ص ۲۰۔مطبوعہ سول اینڈ ملٹری پریس راولپنڈی/ومہرِ چشتیہ (مکتوبات) ص (۲۶۹) مطبوعہ چٹان پرنٹنگ پریس لاہور)۔

اور تاجدارِ گولڑہ علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب "تصفیہ مابین سنّی وشیعہ" میں کثرت کے ساتھ مسئلۂ ہٰذا کی وضاحت فرمادی ہے۔اس کے بعد مزید کسی جدید تحقیق کی ضرورت نہیں۔چنانچہ آپ نے "خلافتِ راشدہ کے متعلق قرآنی اشارات" کا عنوان قائم فرما کر آیات کی تفصیل بیان فرمائی ہے، جبکہ پہلی آیت ہے؛

"والسّابقون الاوّلون من المهاجرين والانصار والّذين اتّبعوهم باحسان رضى اللّٰه عنهم ورضوا عنه.واعدّلهم جنّٰت تجرى من تحتها الانهٰر خالدين فيها ابدا ذٰلك الفوزالعظيم"(ترجمہ) مہاجرین وانصار میں سے سب سے پہلے سبقت کرنے والے اور وہ لوگ جنہوں نے نیکی میں ان کی پیروی کی، خدا تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ خدا تعالیٰ سے راضی ہوئے اور ان کے لیے ایسے باغ تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔اس آیت میں مہاجرین وانصار کو جنّتی فرمایا گیا ہے جس میں "ابوبکر وعمر و عثمان وعلی" (علیہم الرّضوان) بھی ہیں۔اس بشارت کے ضمن ان لغزشوں کی معافی بھی

آ گئی جو بتقاضائے بشریت ان حضرات سے سرزد ہوئی ہوں۔

مثلاً سیّدنا علی کی نسبت صحیح بخاری میں ہے کہ آپ (علی) فرماتے ہیں کہ (ایک دفعہ) رات کے وقت رسول اللہ ﷺ میرے اور فاطمہ (بنتِ رسول اللہ) کے پاس آئے اور ہم سے فرمایا؛ کیا تم نماز (تہجّد) نہیں پڑھتے؟ حضرت علی کا بیان ہے کہ مَیں نے کہا؛ یارسول اللہ ﷺ ہماری روحیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں، وہ جب ہمیں اُٹھانا چاہتا ہے ہم اُٹھ جاتے ہیں۔ جب حضرت علی نے رسول اللہ سے یہ کہا تو آپ ﷺ واپس ہوئے اور حضرت علی کو کچھ جواب نہ دیا۔اور پھر حضرت علی نے آپ کو یہ کہتے ہوئے سُنا جب آپ واپس ہورہے تھےاور اپنی ران پر ہاتھ مار کر فرمارہے تھے؛"و کان الانسان اکثر شئی جدلا"۔ ترجمہ "اور انسان سب چیزوں سے زیادہ جھگڑنے والا ہے۔"

اس حدیث شریف میں سیّدنا علی کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو مناسب جواب نہ دینا ظاہر ہے۔اسی طرح صحیح بخاری میں مذکور ہے جب حدیبیہ میں حضرت علی صلح نامہ لکھ رہے تھےتو انہوں نے آنحضرت کے نامِ مبارک کے ساتھ (رسول اللہ) لکھا، اس پر رؤسائے کُفّارِ مکہ نے اعتراض کیا اور کہا کہ ہم اگر آپ کو رسول اللہ سمجھتے تو پھر جنگ کیوں کرتے؟ اس پر آنحضرت ﷺ نے ہر چند حضرت علی کو فرمایا کہ یہ الفاظ کاٹ دو مگر حضرت علی نے تعمیل نہ کی یہاں تک کہ خود آنحضرت ﷺ نے صلح نامہ اپنے ہاتھوں میں لے کر یہ الفاظ مٹا دیئے۔

اسی طرح کے واقعات میں صحابہ کرام سے جو لغزشیں ہوئی ہیں، وہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے بخش دی ہیں۔مرضِ وفات النبی کے وقت حضورِ نبوی ﷺ میں صحابہ کا آپس کی گفتگو میں شور وغل کرنا، جو مناسب نہ تھا بھی اسی نوعیت کی لغزش ہے

جسے قرآنِ کریم قابلِ عفو بتاتا ہے۔

مقامِ انصاف ہے! کہ خارجی حضرات کا ان واقعاتِ مذکورہ بالا میں سیّدنا علی کو اور اہلِ تشیّع کا حضرت علی کے بغیر باقی تمام صحابہ پر حکم لگا دینا کہ (معاذ اللہ) یہ لوگ منافق ومرتد تھے اور "ما اٰتاکم الرّسول فخذوہ ومانھٰکم عنہ فانتھوہ" (تم کو جو رسول عطاء کریں لے لو اور جس سے منع فرمائیں اس سے رُک جاؤ) کے مخالف اور منکر تھے کیسا ظلم ہے؟ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ جنّتی فرماتا ہے، ان کے متعلق ایسا کہنا خود کفر سے کیا کم ہے؟ اللہ تعالیٰ کے علم میں جن لوگوں کا خاتمہ باالایمان نہیں یعنی جو منافق ومرتد ہیں، ان سے اللہ تعالیٰ عالم الغیب کیسے راضی ہوسکتا ہے اور وہ کیسے بہشتی ہوسکتے ہیں؟ (تصفیہ مابین سنّی وشیعہ ص 24: مطبوعہ پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز لاہور)

اور باغِ فدک کے ذیل میں فرمایا؛

''اس موضوع پر ایک اور دلیل جو فریقِ مخالف (شیعہ) کی طرف سے دی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بموجب آیتِ تطہیر اہلِ بیت علیہم الرّضوان کو پاک گردانا ہے لہٰذا سیّدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا فدک کا دعویٰ کرتے ہوئے کسی ناجائز امر کی مرتکب نہیں ہوسکتیں۔ اس دلیل کا تفصیلی جواب آگے چل کر آیتِ تطہیر کی فصل میں دیا جائے گا۔ یہاں اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ آیتِ تطہیر کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ یہ پاک گروہ معصوم ہیں اور ان سے کسی قسم کی بھی خطاء سرزد ہونا ناممکن ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر بتقاضائے بشریت ان سے کوئی خطاء سرزد بھی ہو تو وہ عفو وتطہیرِ الٰہی میں داخل ہوگی'' (تصفیہ مابین سنّی وشیعہ: ص 46)

اور آیتِ تطہیر کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ؛ ''اگر اذہاب الرّجس اور تطہیر سے مراد

محض فضل وموہبت کی رُو سے گناہوں سے پاک کرنا ہے بغیر اس کے کہ کسی عمل کا عوض یا صلہ ہو تو یہ معنی اس صورت میں کہ ''اہلِ بیت'' سے مراد اُمہات المؤمنین ہی ہوں جیسا کہ ابنِ عبّاس اور عکرمہ کا قول ہے، نظمِ قرآنی سے نہیں سمجھا جاتا۔ البتہ اگر ان الفاظ کو در رنگِ تبلیغِ اوامر ونواہی دیکھا جائے تو ان کے معانی زیادہ صحیح ہو جائیں گے۔ یعنی اے اہلِ بیت اللہ تعالیٰ تم سے ناپسندیدہ اُمور کے دُور کرنے کا اور تمھیں پاک وصاف کرنے کا اِرادہ رکھتا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ اگر تم نے اوامر ونواہی شرعیّہ کے مطابق عمل کیا تو اس کا نتیجہ اور اجر تمہارے لئے یہ ہوگا کہ تم کو اللہ تعالیٰ پاک ومصفّٰی کر دے گا۔ آیۂ تطہیر کا یہ مطلب نہیں کہ یہ پاک گروہ معصوم ہیں اور صُدورِ خطاء ان سے ناممکن ہے۔ (تصفیہ مابین سنّی وشیعہ: ص54)

پھر مزید فرمایا کہ ''آلِ عبا علیہم السّلام حکم اہل بیت وخواص ہونے میں دوسرے لوگوں سے ممتاز ہیں اور اذہاب الرّجس وتطہیر بدیں معنی یعنی سب عیوب سے پاک کر دینا اُنہی کا حصّہ ہے، اگر بمقتضائے بشریت ان سے کوئی خطاء سرزد بھی ہو تو زیرِ عفو وتطہیر داخل ہوگی۔ (تصفیہ مابین سنّی وشیعہ: ص۵۶)

مزید آپ نے فرمایا ہے کہ "یہ ساری تحقیق اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ آیتِ تطہیر کا مورد خواہ امّہات المؤمنین ہوں یا مع آلِ کساء یا صرف آلِ کساء علیہم السّلام تطہیر اور اذہاب الرّجس بصورتِ تنزیلِ احکام وہدایات شرعیّہ نہیں (جو سب اہلِ ایمان کو شامل ہے) بلکہ یہ معنٰی عفو ومغفرت در آخرت ہے خطاء کا صدور بہر کیف مطہّرین سے ممکن ہے" (تصفیہ مابین سنّی وشیعہ: ص۵۸)

خانوادہ مہریہ گیلانیہ گولڑہ شریف کے ترجمان ابوالکلام، شاعرِ ہفت لسان، حضرت

علاّمہ پیر سیّد نصیر الدّین نصیر گیلانی گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں؛

"بخدا ہم نے اپنے بزرگوں کو اس سے فزوں تر کوئی مقام نہیں دیا جس کا جواز قرآن وسنّت میں موجود ہے اور جو اسلام کی قائم کردہ حدود و قیوّد میں رہ کر دیا جا سکتا ہے۔ انبیاء انبیاء ہیں۔ ہم خود کو اصحابِ رسول کا بھی غلام ہی تصوّر کرتے ہیں اور اکثر اولیاء کرام نے اپنے کلام میں اس کا اظہار و اعلان بھی فرمایا ہے۔ ہم نے کسی ولی اور کسی صحابی کو معصوم نہیں مانا۔

اس لئے یہ بات متفق علیہ ہے کی صرف اور صرف انبیاء علیہم السّلام ہی معصوم ہوتے ہیں۔ البتہ اہلِ بیت اطہار، صحابہ کرام اور دیگر صلحائے اُمت کو محفوظ کہا جا سکتا ہے۔ معصوم اور محفوظ کا معنوی فرق اربابِ علم پر بخوبی روشن ہے۔ مَیں ان مسلمان بھائیوں سے اپیل کرتا ہوں جو ابھی تک سنّی العقیدہ نہیں کہ وہ فوراً سنّی مسلک اختیار کرلیں کیوں کہ سُنّی درحقیقت سُنّی العقیدہ ہی نہیں، سُنّی العقیدہ (روشن عقیدہ) بھی ہیں۔ احترامِ اہلِ بیت بھی کرتے ہیں اور عزّتِ صحابہ بھی۔۔۔

اہلِ بیتِ کرام سے نفرت خارجیّت ہے اور صحابہ کرام سے دشمنی (شیعیّت) ہے حُبِّ اہل بیت، تکریم صحابہ اور حُرمتِ اولیاء اللہ سنّیت ہے۔ (نام ونسب: ص445,446)

مقام اہل بیت اور احکامِ شرعیہ کے اطلاق کے ذیل میں فرماتے ہیں: ''جہاں تک احکام شرعیہ اور حدود کا تعلق ہے وہ اُمت کے دیگر افراد کی طرح اہل بیت کرام پر بھی یکساں لاگو ہوں گے گویا احکامِ صوم صلاۃ، مسائلِ نکاح وطلاق اور دیگر فرائض وامور میں اہل بیت دوسرے افراد اُمت کے ساتھ برابر کے شریک اور مخاطب ہیں اور ان کے لیے ان امور میں کوئی تخصیصی حکم موجود نہیں، جس میں سے اُنہیں مستثنیٰ قرار دیا جائے۔

جیسا کہ مجدد ملّت حضرت سیّد پیر مہر علی شاہ قدس سرہٗ آیۂ تطہیر کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ؛ ''سادات فاطمیہ جو قیامت تک ہونے والے ہیں اور جو لوگ اہل بیت میں شمار ہیں جیسے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہٗ سب اسی حکم میں داخل ہیں اور وہ خواہ کیسے ہی گنہگار ہوں، ان کا حشر اس حال میں ہوگا کہ مغفور ہوں گے۔ لیکن اس مغفرتِ کاملہ کا ظہور آخرت میں ہوگا۔ دُنیا میں اگر ان سے کوئی ایسا عمل سرزد ہو جس پر شرعی حد جاری ہوتی ہے تو ان پر بھی جاری کی جائے گی۔ جیسے توبہ کے باوجود زانی پر ثبوتِ جُرم کے بعد حد لگائی جاتی ہے جو ایک صحابی ماغر رضی اللہ عنہٗ کے قصّہ سے ظاہر ہے جنہیں توبہ کے بعد شرعی حد لگائی گئی۔ (تصفیہ مابین سنی وشیعہ ص ۵۱)

حضرت مہر علی گولڑوی کی مذکورہ تشریح دراصل اُن لوگوں کے بعض خیالات کا رد کرتی ہے جو سادات کو تعزیرات وحدودِ اسلامیہ اور احکام شرعیّہ کی قیود سے آزاد سمجھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جب آیۂ تطہیر میں ان کو ہر گناہ سے پاک فرمایا گیا تو اب ان کا کوئی فعل گناہ کی حد میں نہیں آتا کیونکہ جب گناہ ہی نہیں تو حد کیسی؟

مگر حضرت اعلیٰ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے شریعت مطہّرہ کے قوانین کے بارے میں یہ بتایا کہ وہ ہر اس شخص پر لاگو ہیں جو کلمہ گو ہے۔ چاہے سیّد ہو یا غیر سیّد، قریشی ہو یا غیر قریشی۔۔۔

دینِ حق کے جملہ احکام کا اطلاق سب پر یکساں ہوگا۔ یہ بات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی عالمگیر شریعتِ مطہرہ کی شان کے سراسر منافی ہے کہ اس کا اطلاق واجراء آپ کی اپنی اولاد پر نہ ہو اور دوسرے افراد امّت پر ہو۔

حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ؛ ''اگر اذہاب الرّجس اور تطہیر

سے مراد محض فضل وموہبت کی رُو سے سے گناہوں سے پاک کرنا ہے بغیر اس کے کہ کسی عمل کا عوض یا صلہ ہو تو یہ معنٰی اس صورت میں کہ ''اہل بیت'' سے مراد اُمہات المومنین ہی ہوں جیسا کہ ابن عباس اور عکرمہ کا قول ہے نظم قرآنی سے نہیں سمجھا جاتا۔

البتہ اگر ان الفاظ کو دررنگِ تبلیغ واوامر ونواہی دیکھا جائے تو ان کے معانی زیادہ صحیح ہو جائیں گے۔ یعنی اے اہل بیت! اللہ تعالیٰ تم سے ناپسندیدہ امور دُور کرنے اور تمہیں پاک وصاف کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ اگر تم نے اوامر ونواہی شرعیہ کے مطابق عمل کیا تو اس کا نتیجہ اور اجر تمہارے لیے یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو پاک ومصفّٰی کردے گا۔ آیتِ تطہیر کا یہ مطلب نہیں کہ یہ پاک گروہ معصوم ہے اور اس سے صُدورِ خطاء ناممکن ہے۔ (تصفیہ مابین سنی وشیعہ: ص54) (نام ونسب: ص383)

پس اہلِ سنّت وجماعت کا عقیدہ اور نظریہ اچھی طرح واضح وثابت ہوا کہ فرشتے اور انبیاء ومرسلین ہی معصوم عن الخطا ہوتے ہیں۔ اور اہلِ بیت اطہار، صحابہ کبار اور صلحائے امّت علیہم الرّضوان محفوظ عن الخطاء ہوتے ہیں جبکہ ان سے خطاء ممکن ہے۔

برادرانِ اسلام کی خدمت میں آخر میں یہاں غوث الامّت، مجدد الملت حضرت پیر سیّد مہر علی شاہ صاحب گیلانی گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اہم تنبیہہ پیش ہے؛

آپ فرماتے ہیں کہ " قال اللّٰہ تعالی یا اھل الکتاب لاتغلوا فی دینکم غیر الحقّ ولاتتبعوا اھوآء قومٍ قد ضلّوا من قبل واضلّوا کثیرا وّضلّوا عن سوآء السّبیل "۔ اللہ تعالیٰ کو اعتدال اور میانہ روی ہر کام میں پسند ہے اور یہی صراطِ مستقیم ہے جس کی درخواست کے لئے ہم مامور ہیں۔ اور غُلوّ اور تجاوز گو دین ہی میں ہو موجب ضلالت اور غضبِ الٰہی ہے۔

بسا امور ایسے ہیں کہ فی ذاتہٖ صحیح بلکہ منجملہ اسباب کمال ایمان کہلانے کے مستحق ہوتے ہیں باوجود اس کے بوجہ غلو اور حد سے بڑھ جانے کے بد طینت اور فاسد الرّائے انسان انہی اُمورِ صحیحہ سے نتائجِ فاسدہ استنباط کر لیتا ہے۔

حضرت شیخ اکبر رضی اللہ عنہ ایسے نتائج کو شیاطینِ معنویہ کے ساتھ تعبیر فرماتے ہیں، مثلاً حُبِّ اہلِ بیت بشہادتِ قرآن و حدیث و قراردادِ اہلِ اللہ کمالِ ایمان کا موجب ہے بلکہ بلحاظِ اصول عینِ ایمان سمجھا گیا ہے۔ اس اصلِ صحیح میں غُلوّ کرنے والے (دو) فرقے ہوئے۔ ایک فریق نے تو بغض و سبِّ صحابہ کرام کا راستہ لے لیا۔ اس وجہ سے کہ اُنھوں نے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہل بیت پاک کا منصب اور حق غصب کر لیا۔ دوسرا فریق معاذ اللہ خدا اور رسول اور جبرئیل تک کا گستاخ ہوا۔ بدیں خیال کہ رُتبۂ اہلِ بیت اور تقدّم علی الصّحابہ پر نصِ صریح کیوں نہیں وارد ہوئی؟

یہ سب نتائجِ فاسدہ اسی اصلِ صحیح حُبِّ اہلِ بیت کے ہیں۔ (فتاوٰی مہریہ: ص 23۔ مطبوعہ: سول اینڈ ملٹری پریس راولپنڈی)

(تمّ)

مفتیٔ کشمیر، حضرت علامہ مفتی محمد حسین چشتی

بانی و مہتمم، سنّی حنفی دارالعلوم (رجسٹرڈ) عباس پور، آزاد کشمیر

و مرکزی امیر: جماعتِ اہلِ سنّت جموں و کشمیر

تقریظ

پیر مفتی محمد خورشید عالم،

سکالر مسلم ایسوسی ایشن، کیتھلے، برطانیہ

چیئرمین، انٹرنیشنل سپورٹ فاؤنڈیشن، یو۔ کے۔

مسلمانانِ اہل سنت اس وقت مہلکِ ایمان و مضرِ اعمال مرض بنام ''رافضیت'' سے نبرد آزما ہیں۔ یہ مرض اہل السنہ میں بڑی تیزی سے پھیلتا جا رہا ہے۔

جاہل گدی نشینوں کے یہاں نشو و نما پا کر مال و دولت کے حریص و خدا ناترس گندم نما جو فروش نام نہاد سنی علماء کے ذریعے اس مرض کو فروغ مل رہا ہے۔ اس کی ایک بڑی مثال موجودہ مسئلہ فدک ہے، جس کے ذریعہ چند نام نہاد سنی علماء نے اہل سنت میں انتشار پیدا کر دیا ہے- رافضیت نواز علماء مسئلہ فدک میں فکری طور پر اس قدر غیر متوازن ہو چکے ہیں کہ سیدۂ کائنات رضی اللہ تعالی عنھا کو معصومہ عن الخطا قرار دینے پر تلے ہوئے ہیں۔ حالانکہ یہ صرف انبیاء گرامی قدر اور فرشتوں کا خاصہ ہے۔ غیر انبیاء و رسل و ملائکہ کوئی بھی معصوم عن الخطا نہیں۔ لہٰذا معاملہ فدک میں حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالی عنھا سے خطائے اجتھادی کا صدور کوئی برائی اور عیب کی بات نہیں۔

اہل سنت و جماعت کے معتقدات و نظریات میں سے ایک عقیدہ و نظریہ یہ بھی ہے کہ انبیائے کرام و فرشتگانِ عظام کے سوا کوئی معصوم عن الخطا نہیں۔ اہل بیت اطہار و صحابہ کرام محفوظ عن الخطا ہیں اور خطائے اجتہادی موجبِ عذاب و عتاب نہیں بلکہ مورث موجبِ اجر و ثواب ہے۔ یہ اہل سنت کا متفقہ نظریہ ہے۔

زیرِ نظر کتاب ''انوار الہدیٰ فی مسئلۃ العصمۃ والخطا'' حضرت علامہ پیر سیّد اسد اللہ شاہ غالب نقشبندی مجددی الگیلانی زیدت معالیہ (زیب آستانہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ چورا شریف) اسی مسئلہ کی تفصیل بالتحقیق پر مشتمل ہے۔ کتاب کی تصنیف میں محبّ ِ گرامی قدر عالی وقار محترم المقام حضرت العلام پیر سید اسد اللہ شاہ غالب نقشبندی مجددی الگیلانی زیدت معالیہ نے سچ بات تو یہ ہے کہ عظیم نقشبندی خانقاہ کا حقیقی وارث ہونے کا حق ادا کر دیا ہے۔ مندرجات کتاب کے مطالعہ سے گلستانِ عقائد میں بہار کی کیفیات نصیب ہو جاتی ہیں۔ حضرت قبلہ شاہ صاحب نے سیفِ ذوالفقار لے کر روافض وتفضیلیہ کا تعاقب کر کے ان کی جسیم وکجیم مخترعات پر ضربِ کاری لگائی ہے۔ شکوک وشبہات کی سیاہ رات کو دلائل وبراہین کے آفتاب سے روشن کر دیا ہے۔

یہ کتاب تفضیلی یاجوج وماجوج کی فوج کے لیے ''سدِ سکندری'' ثابت ہوگی۔

دُعا ہے کہ اللہ پاک اپنے حبیبِ پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب و عترت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے صدقے مؤلف موصوف کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبولِ تام فرما کر مقبولِ خاص وعام فرمائے ور حضرت شاہ صاحب کا ظلِ عاطفت علمی ضیا پاشیاں فرمانے کے لیے اہل سنت پر تادیر سلامت باکرامت رکھے اور اہل سنت وجماعت کو مہلکِ ایمان مرض رافضیت سے محفوظ و مامون فرمائے! آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم۔

گدائے درِ اہلِ بیت وصحابہ کرام

محمد خورشید عالم بریڈفورڈ (برطانیہ)

ہدیۂ تبریک

محمد اکرم چوہدری، سابق سیاسی مشیر وزیر اعلی پنجاب،
ممتاز کالم نگار روزنامہ نوائے وقت

پیر اسد اللہ شاہ غالب، زیبِ سجادہ چورا شریف نے اس کتاب کو لکھتے ہوئے مختلف حوالوں سے بہت محنت کی ہے انہوں نے مستند مذہبی حوالوں کو سامنے رکھتے ہوئے نہایت حساس موضوع پر قلم اٹھانے کا فیصلہ کیا، یہ نہ صرف قومی خدمت ہے بلکہ ایسے موضوعات پر کام کرنے کے لیے معاملہ فہمی، موضوع پر دسترس و مہارت اور تاریخ پر عبور ہونا بھی نہایت اہم ہے۔ پیر اسد اللہ شاہ غالب ان تمام پہلوؤں سے انصاف کرتے ہوئے دکھائی دیئے ہیں، وہ کئی معاملات پر تاجدارِ انبیاء خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کے بعد ہماری اسلامی تاریخ کی انمول شخصیات کے مرتبے پر ہونے والی بحث کو قرآنی آیات اور مستند احادیث کی روشنی میں ثابت کرنے کی کوشش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کا یہ سارا کام اور محنت تاجدارِ انبیاء خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ، اہل بیت اور صحابہ کرام ﷺ کی محبت کا مظہر ہے۔ اس کاوِش پر وہ بلاشبہ مبارک باد کے مستحق ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں نیکی کا اجرِ عظیم عطاء فرمائے اور انہیں اسلام کی خدمت کرتے رہنے، نبی کریم ﷺ کی سنتوں کو زندہ رکھنے، اہل بیت اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی عظمت کو بیان کرتے رہنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

جہاں تک تعلق اس نازک موضوع کا ہے میری رائے میں ہم سب کو یہ جان لینا چاہیے کہ نبی کریم ﷺ کے بعد اہل بیت اور صحابہ کرام ہمارے لیے سب سے اہم اور

نبی کریم کی سب سے اہم نشانیاں ہیں، ہمیں ان کے درمیان درجہ بندی کرنے یا ان کے حوالے سے کمزور باتوں کو ڈھونڈنے اور ان پر بحث کرتے ہوئے نفرتیں پھیلانے کے بجائے ان کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے دنیا کو امن کا گہوارہ بنانے پر زور دینا چاہیے کیونکہ ہمارے کہنے سے یا ہمارے خیالات سے یا پھر ہماری طبع آزمائی سے کسی صحابی کا کوئی رُتبہ کم نہیں ہوسکتا۔ اپنے صحابہ کے بارے نبی کریم ﷺ کی احادیث ہی ان کی عظمت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ حدیثِ پاک ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''میری سنت اور خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کی پیروی کرنا، اس کو مضبوطی سے تھامنا''۔ اس کے بعد ہم درجہ بندی کرنے والے کون ہوتے ہیں۔ آقا کریم ﷺ نے اپنی سنت کے ساتھ اپنے خلفائے راشدین کی سنت سے تمسک اور ہدایت کو لازم قرار دیا۔ مزید یہ کہ اس کے علاوہ تاریخ میں کئی ایسے واقعات موجود ہیں، جہاں نبی کریم ﷺ کے پیارے صحابہ نے اپنی اپنی محبت کا مختلف انداز میں اظہار فرمایا ہے۔ ایک اور حدیث پاک ہے نبی کریم ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے کہ میرے بعد ابو بکر و عمر کی پیروی کرنا اور کہا کہ میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں جس کی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔ ہم یہاں کئی احادیث لکھ سکتے ہیں۔

قصہ مختصر کہ ہمیں علمی بحث بھی کرتے رہنا چاہیے تاکہ اگر کہیں کوئی غلط چیزیں شامل ہو رہی ہیں تو ان سے بچا جا سکے، مزید یہ کہ علمی اختلافات کو دلائل سے دُور کرنے کے لیے بھی کام کرنا چاہیے، بحیثیت مسلمان ہمیں نبی کریم ﷺ کے کلمے پر متحد ہوتے رہنے کا فریضہ انجام دینا چاہیے۔ اللہ ہمیں ہمت و توفیق عطاء فرمائے۔

محمد اکرم چوہدری

انوارُ الہدیٰ

فی مسئلۃ العصمۃ والخطاء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معصوم عن الخطاء صرف انبیائے کرام علیہم السلام

صاحبِ فتح القدیر، امام الکلام ابن الھمام ''مسامرہ'' میں لکھتے ہیں؛

"العصمة المشترطة معناها تخصيص القدرة بالطاعة فلا يخلق له اى لمن وصف بها (قدرة المعصية)" (مسامرہ، جلد دوم، ص 81)

وہ عصمت جس کو (انبیاء کے لیے) مشروط کیا گیا ہے، اس کے معنی ہیں کہ ان کی قدرت میں فقط اطاعت کرنا ہی ہوتا ہے۔ جس کو اس عصمت کے لیے خاص کرلیا جاتا ہے۔ اس کے لیے معصیت کی قدرت پیدا ہی نہیں کی جاتی۔

''شرح عقائدِ نسفی'' میں عصمت کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے؛ "وحقيقة العصمة ان لا يخلق الله فى عبدالذنب مع بقاء قدرته و اختياره" (شرح عقائدِ نسفی، ص 83)

عصمت کی حقیقت یہ ہے کہ بندے کی قدرت اور اختیار کے باقی رہنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کا اس بندہ میں گناہ پیدا نہ کرنا۔ اِسی شرحِ عقائد میں عصمت کی تعریف اس طرح بھی منقول ہے؛

"هِى لطف من الله تعالىٰ يحمله على فعل الخير و يزجره عن الشرمع بقاء الاختيار تحقيقاً للابتلاء"

عصمت، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا کرم ہے، جو اللہ کے بندے (نبی) کو فعلِ

خیر پر اُبھارتا ہے اور فعلِ شر سے دُور رکھتا ہے۔ اگرچہ فعلِ شر کے لیے نبی کا اختیار باقی رہتا ہے تاکہ ان سے حساب لیا جا سکے۔ (کیونکہ اگر اختیار باقی نہ ہو تو نبی بھی فرشتوں کی طرح مجبورِ محض ہو گا اور اس کے اچھے اعمال بھی باعثِ ثواب نہیں بن سکتے)۔

شرحِ عقائد کی مشہور شرح ''نبراس'' میں صاحبِ نبراس نے عصمت کی تعریف اس طرح بیان کی ہے: ''**العصمة ملكة نفسانية يخلقها الله سبحانه فی العبد فتكون سبباً لعدم خلق الذنب فيه**'' (النبراس، ص532)

عصمت وہ ملکۂ نفسانیہ ہے، جسے اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندے میں پیدا کرتا ہے، جو اس میں گناہ پیدا نہ ہونے کا سبب بن جاتا ہے۔

اہل سنت کے نزدیک ''عصمت'' اس معنٰی میں صرف اور صرف انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مختص ہے جبکہ شیعہ کے نزدیک اہل بیت بھی اس معنٰی میں انبیاء کی مثل ہیں اور وہ گناہ اور خطا کی تمام انواع سے معصوم ہیں (اور روافض کا یہ مذہب کسی طور پر درُست نہیں خلافِ قرآن وسنت و اجماع ہے جیسا کہ ہم سطورِ آئندہ میں روشن کرنے والے ہیں، اِن شاء اللہ العزیز)۔

آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم محفوظ عن الخطاء ہیں،

معصوم عن الخطاء نہیں

باغِ فدک اور امکانِ خطاء

حضرت سیّدہ فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا (سمیت تمام اہل بیت) کے بارے میں اہل سنت کا مؤقف یہی ہے کہ وہ بفضلہٖ تعالیٰ ''محفوظ عن الخطاء'' ہیں، یعنی وہ بے شک معصیت اور گناہ سے محفوظ ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ مسائل شرعیہ اور احکام شرعیہ کی تحقیق میں ان سے کوئی خطا نہیں ہو سکتی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ مجید میں ارشاد فرمایا؛

''فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ'' (سورۂ نساء، آیت نمبر 59)

اگر کسی مسئلہ میں تم باہم اختلاف کرو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو۔

یہاں ''تَنَازَعْتُمْ'' سے علمی، فکری، فقہی، اعتقادی اختلاف بھی مراد ہیں، تفضیلی و رافضی حضرات بتائیں کہ حکمِ الٰہی ''فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ'' میں کیا اہل بیت بھی شامل ہیں یا نہیں؟ کیا آپ میں اتنی جرأت ہے کہ اہل بیت کو اس حکم سے نکال سکیں؟ اور اگر ایسا ممکن نہیں تو سوچیں آپ کا عقیدۂ ''معصومیت'' تو یہیں زمین بوس ہو جاتا ہے۔

کیا ائمہ و اہل بیت سے علمی و فقہی احکامات سمجھنے میں غلطی اور نسیان کا امکان

ہے؟ یا بقول روافض اور تفضیلیوں کے وہ معصوم ہیں، اس حوالے سے احادیث اور تاریخ سے چند حوالہ جات پیشِ خدمت ہیں؛

مسئلۂ عدت بعد وفات اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اجتہاد

اہل بیت کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں علم و فضل کے اعتبار سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ ممتاز اور افضل تھے۔ کتبِ احادیث سے یہ بات متحقق اور ثابت ہے کہ خاوند کی وفات کے بعد حاملہ عورت کی عدت کے بارے میں سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ طویل عدت (چار ماہ دس دن اور وضع حمل میں جو زیادہ ہو) کے قائل تھے، امام سرخسی نے محیط میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہی قول نقل کیا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (1) کو جب بیوہ کی عدت پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس مؤقف کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا؛

وقال ابن مسعود : من شاء باھلتہ ان سورۃ النساء القصریٰ نزلت بعدالتی فی البقرہ یرید بالقصریٰ (یایھا النبی اذا طلقتم النساء) وبالطولی (والذین یتوفون منکم) الآیہ وفی روایۃ من شاء لاعنتہ فی روایۃ حالفتہ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جو چاہے مَیں اس سے مباہلہ کرتا ہوں کہ چھوٹی سورۃ النساء (یعنی سورۃ طلاق) سورۃ بقرہ کے حکم کے بعد نازل ہوئی ہے (یعنی سورۂ بقرہ میں بیوہ کی عدت جو چار ماہ دس دن مذکور ہے، اس سے حاملہ کی عدت مستثنٰی ہے کہ اس کی عدت وضع

---

(1)۔ اور یاد رہے قرآن فہمی میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اصحاب رسول ﷺ میں بلند مقام حاصل تھا۔ خود سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارشاد فرمایا؛

استقرؤ و القرآن من اربعۃ من عبداللہ بن مسعود و سالم مولیٰ ابی حذیفۃ و ابی بن کعب و معاذ بن جبل۔ قرآن کو چار آدمیوں سے سیکھو، عبداللہ بن مسعود سے اور سالم مولیٰ ابی حذیفہ سے اور ابی بن کعب سے اور معاذ بن جبل سے (بخاری، کتاب المناقب)

حمل یعنی بچے کی پیدائش ہے) ایک روایت میں ہے، مَیں اس سے لعان کرسکتا ہوں، ایک روایت میں ہے، حلف اٹھاتا ہوں۔ (البحر الرائق، 4، 145، دارالمعرفۃ بیروت)

درجِ بالا روایت بحر الرائق کی ہے مگر اس کے علاوہ اس روایت کو امام داؤد نے اپنی مسند کے ساتھ صحیح میں، ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری کتاب الطلاق میں اور ابن ماجہ کے علاوہ کثیر کتبِ احادیث میں روایت کیا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کتنے اعتماد اور پختہ یقین سے اس صورتِ مسئلہ پر اپنے مؤقف کے حق میں یہ کہہ رہے ہیں کہ مَیں اس مسئلہ پر مباہلہ کرنے اور حلف دینے کے لئے بھی تیار ہوں اور آج بھی احناف اس مسئلہ پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول پر فتویٰ دیتے ہیں نہ کہ سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے قول پر۔ تو اب رافضی اور تفضیلی بتائیں کہ اب آپ کا عقیدہ معصومیت کہاں گیا، یہاں جناب سیّدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے مؤقف کو آپ کیا کہیں گے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حاملہ عورت کی عدت پر سورۂ بقرہ کی آیت؛ "وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجاً يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْراً" (البقرہ 234)، اور تم میں سے جو فوت ہو جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ اپنے آپ کو چار ماہ دس دن انتظار میں روکے رکھیں، کو مدنظر رکھتے ہوئے فتویٰ دیا جبکہ ان کے مقابلے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے سورہ طلاق کی آیت؛ "وَأُوْلَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ"، اور حاملہ عورتیں (تو) ان کی عدت ان کا وضعِ حمل ہے، پر اجتہاد فرمایا۔ اب جمیع صحابہ، تابعین اور اُمت کی رائے کے مطابق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اجتہاد صائب وصواب ہے اور سیّدنا علی

رضی اللہ عنہ کا یہاں اجتہاد اس کے برعکس ہے۔

اب درج بالا مثال کو ذہن میں رکھتے ہوئے سیدۂ کائنات، سیّدہ فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا اور باغِ فدک کے مسئلہ کی طرف آتے ہیں۔

آیتِ وراثت میں سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا اجتہاد

سیدۂ پاک نے سورۂ نساء کی اس آیتِ مبارکہ سے استدلال کیا "يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ" (سورۃ النساء، آیت نمبر 11)۔ اللہ تمہیں تمہاری اولاد (کی وراثت) کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ لڑکے کے لئے دو لڑکیوں کے برابر حصہ ہے، پھر اگر لڑکیاں ہی ہوں دو سے زائد تو ان کے لئے ان کے ترکہ کا دو تہائی حصہ ہے اور اگر وہ اکیلی ہو تو اس کے لئے آدھا ہے۔

یعنی اگر صرف ایک بیٹی ہو تو اس کے لئے نصف ترکہ ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصالِ مبارک کے وقت آپ کی پاک اولاد میں واحد سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی بقیدِ حیات تھیں۔ علامہ بدرالدین عینی، عمدۃ القاری شرح بخاری میں لکھتے ہیں؛

''حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آیتِ وصیت (وان کانت واحدۃ فلھا النصف) کے ساتھ استدلال کررہی تھیں، آپ نے قولِ باری تعالیٰ "یوصیکم اللہ" میں خطاب عام سمجھا کہ اُمت اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں مخاطب ہیں اور آیتِ مذکور میں احکام سب کے لئے ہیں۔''

اب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جب حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے ہمراہ جناب

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس میراث طلب کرنے کے لئے تشریف لے گئیں تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان دونوں حضرات سے فرمایا؛"سمعتُ رسول اللّٰہ ﷺ یقول، لا نورث ما ترکنا صدقة" (صحیح بخاری، کتاب الفرائض)

مَیں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ہمارا (انبیاء کا) کوئی (مال میں) وارث نہیں ہوتا، ہم جو مال چھوڑ جائیں، وہ صدقہ ہے۔"

اب اس مطالبۂ میراث میں دو مؤقف ہیں، سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ کا موقف تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث میں ہمارا حصہ ہے اور ابتداء میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس مؤقف کی تائید میں تھے تو ان حضرات نے جب اپنے حصے کا تقاضا خلیفۃ الرسول ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کیا تو آپ نے ان کو جناب رسالت مآب ﷺ کا ارشاد "لا نورث ما ترکنا صدقة" سنایا تو ان حضرات نے اپنا مؤقف ترک کر دیا اور تمام اصحابِ رسول ﷺ کا بھی اس پر اجماع اور اتفاق ہو گیا۔ اب یہاں سیّدہ پاک کے اِس اِجتہادی مؤقف کو اجماعِ صحابہ سے لے کر اجماعِ اُمت نے صواب نہیں مانا بلکہ تمام نے (شیعہ کو چھوڑ کر) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قول کو صائب وصواب تسلیم کیا ہے۔

اب رافضی اور تفضیلی اگر یہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قول، جس پر صحابہ اور پوری اُمت کا اجماع اور اتفاق ہے کو مان لیں تو پھر ان کے مذہب کا بنیادی عقیدۂ معصومیت ہی پاش پاش ہو جاتا ہے، اس لئے باغِ فدک کے معاملے میں رافضیوں کے ہاں جتنی بھی من گھڑت تاویلیں اور جھوٹی روایات گھڑی گئی ہیں، وہ درحقیقت اِس قرآن وحدیث سے متضاد عقیدۂ معصومیت کو بچانے کی خاطر ہی ہیں،

اس لئے اہل سنت کا عقیدہ ہر حال میں برحق اور سچا ہے کہ صرف انبیائے کرام علیہم السلام ہی معصوم عن الخطاء ہیں، انبیاء کے علاوہ اہل سنت کے ہاں کوئی ہستی اور شخصیت بھی خطا سے معصوم نہیں۔ کیونکہ انبیاء نے اللہ کے پیغام کو وصول کر کے اسے بطور امانت مخلوق تک پہنچانا ہوتا ہے، اس لئے ان میں اگر امکانِ خطا گمان کر لیا جائے تو احکاماتِ الٰہیہ اور پوری شریعت نا قابل اعتبار (نعوذ باللہ) بن جائے۔

کیا خطاء سے مراد صرف معصیت ہے؟

ایک بات کو ملحوظ رکھنا بہت ضروری ہے کہ لفظ خطاء مشترک ہے، جس کے متعدد معانی ہو سکتے ہیں، قرآنِ مجید میں لفظ خطاء گناہ اور معصیت کے لئے بھی استعمال ہوا ہے، مثلاً؛

----"بَلَى مَن كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيْئَتُهُ فَأُوْلَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خَالِدُونَ" (سورۃ بقرہ آیت نمبر 81)۔ ہاں جو بُرے کام کرے اور اس کے گناہ (ہر طرف سے) اس کو گھیر لیں تو ایسے لوگ دوزخ (میں جانے) والے ہیں (اور) وہ ہمیشہ اس میں (جلتے) رہیں گے۔

----" لاَ يُكَلِّفُ اللّهُ نَفْساً إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لاَ تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِيْنَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلاَ تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْراً كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِيْنَ مِن قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلاَ تُحَمِّلْنَا مَا لاَ طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا أَنتَ مَوْلاَنَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ " (سورۃ بقرہ آیت نمبر 286)

اللہ کسی شخص کو اُس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ اچھے کام کرے گا تو

اُس کو اُن کا فائدہ ملے گا اور بُرے کرے گا تو اُسے اُن کا نقصان پہنچے گا۔ اے ربّ، اگر ہم سے بھول چوک ہو گئی ہو تو ہم سے مؤاخذہ نہ کرنا۔ اے اللہ ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالنا جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔ اے اللہ! جتنا بوجھ اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں اتنا ہمارے سر پر نہ رکھنا اور (اے اللہ) ہمارے گناہوں سے درگزر کر اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما تو ہی ہمارا مالک ہے اور ہمیں کافروں پر غالب فرما۔

---- لَا يَأْكُلُهُ إِلَّا الْخَاطِئُونَ (سورۃ الحاقۃ، آیت نمبر 37)

جسے گناہگاروں کے سوا کوئی نہ کھائے گا۔

---- نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ (سورۃ العلق آیت نمبر 16)

وہ پیشانی جو جھوٹی، خطا کار ہے۔

---- وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا (سورۃ الاسراء، آیت نمبر 31)

اور تم اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل مت کرو، ہم ہی انہیں روزی دیتے ہیں اور تمہیں بھی، بے شک ان کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

وغیرہ یہی لفظ ''خطاء'' قرآن کے بعض دیگر مقامات پر استعمال ہوا ہے مگر وہاں آپ اس سے معصیت اور گناہ ہرگز مراد نہیں لے سکتے۔ مثال کے طور پر قرآنِ کریم کی سورۂ شعراء کی آیت نمبر 82 میں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے الفاظ بیان ہیں:
''وَالَّذِي أَطْمَعُ أَن يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ''۔ میں اس سے امید رکھتا ہوں کہ روزِ قیامت وہ میری خطائیں معاف فرمادے گا۔

اب یہاں کوئی صاحبِ علم و دانش لفظ خطا سے کیا معصیت اور گناہ مراد لے سکتا

ہے؟ ایک طرف اللہ کے نبی ابراہیم علیہ السلام ہیں اور دوسری طرف لفظ خطا ہے اور مقام قرآن ہے۔ تو کیا لفظ خطا کا استعمال حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے بمعنی معصیت استعمال ہوا ہے؟ ہرگز ایسا نہیں ہے، بس قرآنِ کریم کی اِسی مثال کو سامنے رکھ کر یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ جس طرح ایک نبی کے لئے، جو بالا جماع و بالا تفاق معصوم ہیں، ان کے لئے جب لفظ خطا قرآن میں لکھا اور بولا جائے تو وہاں مراد گناہ نہیں ہے بلکہ یہاں اس کا معنٰی ''نسیان'' اور ''بھول'' لیا جاتا ہے بالکل اسی طرح وہ ہستیاں جو اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق معصوم نہیں بلکہ محفوظ ہیں جب ان کے لئے لفظ خطا بولا جائے تو اس سے مراد بھی گناہ اور معصیت ہرگز ہرگز نہیں ہوتا۔

جب کسی مجتہد یا فقیہہ کے لئے لفظ ''خطا'' بولا جائے تو اس وقت اس کی علمی یا فقہی رائے کا صواب نہ ہونا مراد ہوتا ہے اور ایسی علمی ناواقفیت اور فقہی خطا پر تو اللہ کریم نے بالکل واضح حکم بھی ارشاد فرمایا ہے کہ؛

''وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُم بِهِ'' (سورۃ احزاب آیت نمبر 5)

اور اس بات میں تم پر کوئی گناہ نہیں جو تم نے غلطی سے کہی۔

مگر وہ برگزیدہ ہستیاں جنہیں عقیدۂ اہل سنت میں محفوظ عن الخطا سمجھا جاتا ہے، خواہ وہ اہل بیت عظام ہوں یا صحابہ کرام ان کی نسبت لفظ خطا کو اس انداز سے بولنا کہ وہاں اس لفظ کے استعمال سے بے ادبی اور گستاخی کا احتمال ہو، ہرگز مناسب نہیں اور اگر عمداً اس نیت اور ارادے کے ساتھ بولا جائے تو سخت گناہگار ہوگا اور اندیشۂ نقصِ ایمان لاحق ہوگا، فوراً رجوع اور توبہ کرے۔ اہلِ علم کو سمجھنا چاہیے کہ دین کا علم الگ نعمت ہے اور دین کی فقاہت الگ نعمت اور اس نعمت کی طلب کرنا ہر ذی علم کو لازم

ہے، ورنہ یہی علم خود عالم کیلئے زہر قاتل بن جاتا ہے، ہم اہلِ علم کو دعوتِ فکر دیتے ہیں کہ حصولِ علم کے بعد روحانی بیماریوں کے طبیب سے اپنی امراضِ قلب مثلاً ''حسد، تکبر، حبِ جاہ، حبِ دنیا، قلتِ خشیتِ الٰہی وغیرہ وغیرہ'' کی تشخیص اور ان کا علاج ضرور کروایا جائے ورنہ ظاہری علم نہ صرف بے سود ہوگا بلکہ وبالِ جاں ہوگا۔

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

علماء اگر مؤقف بیان کرتے وقت ادب کا پہلو ہاتھ سے نہ جانے دیں تو بعد میں صفائیاں پیش کرنے کی نوبت اور حاجت ہی پیش نہ آئے۔ علماء کو یہ بات ہمیشہ مدِنظر رکھنی چاہیے کہ کہیں ایک جانب کا دفاع دوسری جانب میں خرابی پیدا نہ کردے، کیونکہ اعتدال اسی شئے کا نام ہے، اور مسلکِ حق اہلِ سنت و جماعت واحد معتدل جماعت ہے، اور اس کی اس منصفانہ و معتدلانہ روش سے سرمو اِنحراف کرنے والا ہلاکت میں پڑ جاتا ہے، فتدبروا یااولی الابصار۔ یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ ہم نے نہ کسی کی حمایت کی، نہ کسی کی تائید، ہاں دفاع کیا تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرامین اور احکامات کا، حمایت کی تو بس مسلکِ حق اہلسنّت کی اور روشن تائید کی تو عقیدۂ حقہ کی کیونکہ

مجھے ہے حکم اذاں

امام مالک و اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا خان کا قول

امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ''لیس احد بعد النبی ﷺ الا یوخذ من قولہ ویترك الّا النبی ﷺ'' نبی ﷺ کے بعد جو شخص بھی ہے اس کا قول تسلیم بھی کیا

جا سکتا ہے اور رد بھی لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ (جامع بیان العلم وفضلہ، ج:2،ص:92،المیزان،ج:1،ص48)

ایک اور مقام پر امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ہر شخص اپنی گفتگو میں ماخوذ ہے اور اس کی رائے ردّ کی جا سکتی ہے۔ (میزان الشریعہ الکبری:63/1-68)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مشہورِ زمانہ ''فتاویٰ رضویہ'' میں اس حوالہ سے یوں رقم طراز ہیں؛

''انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سوا کچھ بشر معصوم نہیں اور غیر معصوم سے کوئی نہ کوئی کلمہ غلط یا بے جا صادر ہونا کچھ نادر کالمعدوم نہیں پھر سلف صالحین وائمہ دین سے آج تک اہل حق کا یہ معمول رہا ہے کہ ہر شخص کا قول قبول بھی کیا جاتا ہے اور اس کو رد بھی کیا جاتا ہے، ماسوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے، جس کی جو بات خلافِ حق و جمہور دیکھی، وہ اس پر چھوڑی اور اعتقاد وہی رکھا جو جماعت کا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج-6ص،283مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

نیز اعلیٰ حضرت احمد رضا خان مزید لکھتے ہیں؛

''ویابی اللہ العصمة الالکلامه ولکلام رسوله صلی اللہ علیہ وسلم''

اللہ تعالیٰ اپنے کلام اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے سوا کسی کے کلام کو معصوم قرار دینے سے انکار فرماتا ہے۔ پھر فرمایا انسان سے غلطی ہوتی ہے مگر رحمت ہے اس پر جس کی خطا کسی امر دین پر زد نہ ڈالے۔ (الملحوظ ج4،ص3،مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی)

اجتہاد میں صائب نہ ہونا کوئی خطاء اور نقص نہیں

جس طرح قرآنِ مجید، فرقانِ حمید میں حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان

علیہ السلام کے مابین ایک معاملہ کے فیصلہ کا ذکر آیا ہے، کہ دو آدمی حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس اپنا معاملہ لے کر آئے کہ ایک آدمی کی بکریاں دوسرے آدمی کے کھیت میں چلی گئیں، کھیت کے مالک نے کہا کہ میرے کھیت میں کوئی چیز باقی نہیں بچی، حضرت داؤد علیہ السلام نے فیصلہ کرتے ہوئے ساری بکریاں کھیت کے مالک کو دے دیں، پھر بکریوں کا مالک حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس گیا اور ان کے والد یعنی حضرت داؤد علیہ السلام کا کیا ہوا فیصلہ انہیں بتایا، حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے والد حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس گئے اور کہا؛ اے اللہ کے نبی! آپ نے جو فیصلہ کیا ہے، اس کے علاوہ ایک اور فیصلہ بھی ہوسکتا ہے، حضرت داؤد علیہ السلام کے پوچھنے پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے مزید فرمایا؛ کھیت والے کو اپنے کھیت سے ہر سال کی پیداوار کا علم ہے اور وہ اس فصل کی قیمت بکریوں والے سے حاصل کر لے اور بکریوں والا اس کی قیمت ادا کر دے، حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا کہ تم نے صحیح فیصلہ کیا۔ قرآن میں اس واقعہ کا ذکر اس طرح آیا ہے؛

وَدَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ، فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْماً وَعِلْماً۔ (الانبیاء78، 79) اور داؤد اور سلیمان کو یاد کیجئے، جب وہ ایک کھیت کا فیصلہ کر رہے تھے، جب کچھ لوگوں کی بکریوں نے رات میں اس کھیت میں چر لیا تھا اور ہم ان کے فیصلہ کو دیکھ رہے تھے، سو ہم نے اس کا صحیح فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا اور ہم نے دونوں کو قوتِ فیصلہ اور علم عطا کیا تھا۔

اس آیتِ کریمہ کے آخری الفاظ پر غور فرمائیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بالکل واضح

الفاظ میں فرمایا کہ ہم نے دونوں کو قوتِ فیصلہ بھی دیا اور علم بھی عطا کیا، مگر اس سے پہلے ارشاد فرمایا: "فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ" پس اس کا صحیح فیصلہ ہم نے سلیمان کو سمجھا دیا، پس فہم مسئلہ کے ساتھ حضرت سلیمان علیہ السلام کو خاص کر دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اس مسئلہ میں جانبِ حق تک حضرت سلیمان علیہ السلام پہنچے تھے نہ کہ حضرت داوٗد علیہ السلام۔

اب یہاں دو باتیں قابل فکر ہیں، پہلی بات یہ کہ مقام و مرتبہ، علم و فضل، حیثیت و شخصیت ہر لحاظ سے حضرت داوٗد علیہ السلام اپنے بیٹے سلیمان علیہ السلام سے افضل ہیں، رسول بھی ہیں صاحبِ کتاب بھی، افضل ہونے کے باوجود قرآن کے مطابق ان کے فیصلے کے برعکس حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ صائب اور برحق ہے۔ گویا یہ ضروری نہیں کہ افضل و مفضول میں ہمیشہ افضل ہی جانبِ حق ہو اور دوسری بات یہ عیاں ہوتی ہے کہ چونکہ یہاں حضرت داوٗد علیہ السلام کا فیصلہ ان کے ذاتی اجتہاد کی بناء پر تھا، تو اجتہاد کے اندر صائب نہ ہونا کوئی خطاء اور نقص کا باعث نہیں بنتا۔

حضرت علی کا مرتدین کو جلانا

عن ابی هريرة رضی اللہ عنه **قال؛ بعثنا رسول اللّٰهِ** صلّی اللہ علیہ وسلّم **فِی بعث وقال لنا؛ ان لقِيتم فلانا وفلانا لِرجلينِ مِن قريش سماهما۔فأحرقوهما بِالنارِ، قال؛ ثم اتيناه نودِعه حِين اردنا الخروج، فقال؛ اِنِی كنت امرتكم ان تحرِقوا فلانا وفلانا بِالنارِ، واِن النار لا يعذِب بِها اِلّا اللّٰه، فاِن اخذتموهما فاقتلوهما"** (صحیح البخاری، کتاب الجِهادِ والسِیرِ، باب التودِیع)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ہمیں کسی لشکر کے ساتھ روانہ کیا اور ہم سے فرمایا: ''اگر تم نے قریش کے فلاں فلاں دو آدمیوں کو پایا تو انھیں آگ میں جلا دینا۔'' آپ نے ان کا نام بھی لیا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں؛ پھر جب ہم چلنے لگے تو ہم آپ کے پاس رُخصت کے لیے آئے تو آپ نے فرمایا: ''مَیں نے تمھیں حکم دیا تھا کہ فلاں، فلاں کو آگ میں جلا دینا مگر آگ سے عذاب تو اللہ ہی دیتا ہے، لہٰذا اگر تمہیں مل جائیں تو قتل کر دینا۔'' (آگ میں نہ جلانا)۔

''وعن ابنِ مسعود قال؛ كنا مع رسولِ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم في سفر، فانطلق لحاجتِهِ، فرأينا حُمرة معها فرخانِ، فأخذنا فرخيها، فجاء ت الحمرة فجعلت تعرِش، فجاء النبي صلی اللہ علیہ وسلم فقال: من فجع هذِهِ بولدِها؟ ردوا ولدها اليها، ورأى قرية نمل قد حرقناها، فقال؛ من حرق هذِهِ؟ قلنا؛ نحن، قال؛ انه لا ينبغِي ان يعذِب بالنارِ الا رب النارِ'' (رواه ابوداؤد، باسنادِ صحيح)

سیدنا عبدالرحمٰن بن عبداللہ اپنے والد (سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے گئے تو ہم نے ایک چڑیا دیکھی اس کے ساتھ دو بچے بھی تھے، ہم نے اس کے دونوں بچے پکڑ لئے تو چڑیا آئی اور (بچوں کے اوپر اردگرد) منڈلانے لگی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ کس نے اس کے بچوں کو پریشان کیا ہے؟ اس کے بچوں کو چھوڑو۔ (ایک دوسرے موقع پر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ چیونٹیوں کے بڑے بل کو ہم نے جلا ڈالا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، اس کو کس نے جلایا ہے؟ ہم نے کہا کہ ہم نے جلایا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛ آگ کے

ربّ کے سوا کسی کو روا نہیں کہ آگ سے عذاب دے۔

درجِ بالا دونوں روایات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان احکامات اور الفاظ کو ذہن میں رکھیے؛

1.. "وانِ النّار لا یعذِب بِها اِلا اللّٰہ" (آگ کی سزا دینا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو سزاوار نہیں)۔

2.. "لا ینبغِی ان یعذِب بالنّارِ الّا رب النّارِ" (آگ کے ربّ کے سوا کسی کو روا نہیں کہ آگ سے عذاب دے)۔

اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح احکامات ہیں کہ دُنیا کا کوئی فرد کسی بھی جاندار یا انسان کو آگ سے نہیں جلا سکتا اور اس عمل پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شدید ممانعت فرمائی اور اب ملاحظہ فرمائیں؛

"حدثنا ابوالنعمان محمد بن الفضل حدثنا حماد بن زید عن ایوب عن عکرمه قال اُتِی علِی رضی اللّٰہ عنه بِزنادِقة فأحرقهم فبلغ ذلكِ ابن عباس فقال ؛ لو کنت أنا لم أحرِقهم لِنهيِ رسول اللّٰہِ صلّی اللّٰہ علیہِ وسلم؛ لا تعذِبوا بِعذابِ اللّٰہِ ولقتلتهم لِقولِ رسولِ اللّٰہِ صلّی اللّٰہ علیہِ وسلم؛ من بدل دِینه فاقتلوه "۔ (صحیح بخاری۔ کتاب استتابة المعاندین)

حضرت عکرمہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ جناب علی رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ زندیق (1) (بددین) لائے گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں جلا دیا۔ یہ خبر حضرت

---

(1) زنادقہ زندیق کی جمع ہے، شروع میں یہ لفظ ان لوگوں کے لئے وضع ہوا جو زردشت مجوسی کی کتاب ژند کے پیروکار تھے۔ اب اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اسلام سے برگشتہ ہو جائیں۔

ابن عباس کو پہنچی تو آپ نے فرمایا اگر مَیں ہوتا تو انہیں نہ جلاتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منع فرمانے کی وجہ سے کہ فرمایا؛ کسی کو اللہ کا عذاب (یعنی آگ سے) نہ دو، مَیں انہیں قتل کرتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی وجہ سے کہ جو اپنا دین بدل دے، اسے قتل کردو۔

محدثین کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں قوم ''سائبہ'' کے لوگ عبداللہ بن سبا کے مطیع ہو گئے، انہوں نے دعویٰ کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ''اللہ'' ہیں، انہیں پکڑ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کچہری میں لایا گیا۔

طبرانی نے اوسط میں روایت کی ہے علی رضی اللہ عنہ کو خبر پہنچی کہ ایک قوم دین اسلام سے مرتد ہوگئی ہے، سو ان کو بلا بھیجا اور ان کو کھانا کھلایا پھر ان کو اسلام کی طرف بلایا، انہوں نے نہ مانا، سو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک گڑھا کھدوایا اور ان کی گردنیں کٹوا کر ان کو گڑھے میں ڈلوادیا پھر ان پر لکڑیاں ڈال کر ان کو جلایا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ کسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ایک قوم مسجد کے دروازے پر ہے، وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ تُو اُن کا اللہ ہے، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو بلایا، سو کہا کہ تم کو کیا خرابی ہے، تم کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ تُو ہمارا رب ہے اور ہمارا خالق ہے اور رازق ہے، تو علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم کو خرابی ہے، مَیں تو ایک بندہ ہوں جیسے تم ہو، کھانا کھاتا ہوں، جیسے تم کھاتے ہو اور پانی پیتا ہوں جیسے تم پیتے ہو، سو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور توبہ کرو، انہوں نے نہ مانا، اسی طرح تین دن کیا، انہوں نے نہ مانا، پھر آپ نے ان کو جلوادیا۔ (فتح الباری، ابن حجر العسقلانی)

اور جب اس واقعہ کی خبر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ تک پہنچی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کچھ مرتدین کو آگ میں جلا دیا ہے تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کیا کہا اور

پھر ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے جب سنا تو آپ نے کیا کہا؟ قابل فکر ہے اور عقیدۂ معصوم عن الخطاء کا پردہ چاک کرنے کے لئے کافی ہے۔
اب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ملاحظہ فرمائیں؛

حدثنا احمد بن عبدة الضبتی البصری حدثنا عبدالوھاب الثقفی حدثنا ایوب عن عکرمه انّ علِیا حرق قوما ارتدوا عنِ الاسلامِ، فبلغ ذلكِ ابن عباس فقال لو کنت انّا لقتلتهم، لِقولِ رسولِ اللّٰهِ صلَّى الله عليهِ وسلم؛ من بدل دِينه فاقتلوه، ولم أكن لِاحرِقهم، لِقولِ رسولِ اللّٰهِ صلَّى الله عليهِ وسلم؛ لا تعذِبوا بِعذابِ اللّٰهِ، فبلغ ذٰلكِ علِيا فقال؛ صدق ابن عباس۔ (ترمذی،1458)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کچھ ایسے لوگوں کو زندہ جلا دیا جو اسلام سے مرتد ہو گئے تھے، جب ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے کہا؛ اگر (علی رضی اللہ عنہ کی جگہ) مَیں ہوتا تو انہیں قتل کرتا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے؛ جو اپنے دین (اسلام) کو بدل ڈالے اسے قتل کرو، اور مَیں انہیں جلاتا نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے؛ اللہ کے عذابِ خاص جیسا تم لوگ عذاب نہ دو، پھر اس بات کی خبر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو انہوں نے کہا: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سچ کہا۔

یہی روایت سنن ابوداؤد میں بھی اسی طرح درج ہے؛

حدثنا احمد بن محمدِ بنِ حنبل، حدثنا اِسماعِيل بن اِبراهِيم، خبرنا ايوب عن عكِرمه، ان علِيا عليهِ السلام أحرق ناسا ارتدوا عنِ الاسلامِ، فبلغ ذٰلِك ابن عباس فقال؛ لم اكن لاِحرِقهم بِالنارِ، اِن رسول اللّٰهِ صلى الله عليهِ وسلم قال؛ لا تعذِبوا بِعذابِ اللّٰهِ، و كنت قاتِلهم بِقولِ رسولِ اللّٰهِ صلى الله عليهِ

وسلم، فإن رسول اللّٰہِ صلی اللہ علیہِ وسلم، قال؛ من بدل دِینہ فاقتلوہ، فبلغ ذٰلك علِیاً علیہِ السلام، فقال؛ ویح ابنِ عباس!

جناب عکرمہ سے روایت ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بعض لوگوں کو جو دین اسلام سے مرتد ہو گئے تھے، آگ سے جلوا دیا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے کہا کہ مَیں انہیں آگ سے نہ جلواتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ؛ اللہ کے عذاب سے عذاب مت دو۔ مَیں انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق قتل کرتا۔ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو اپنا دین بدل لے، اُسے قتل کر دو۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ بات پہنچی تو انہوں نے کہا: کیا خوب ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ (سنن ابوداؤد کتاب، حدود اور تعزیرات کا بیان باب، مرتد یعنی دین اسلام سے پھر جانے والے کا حکم)

ہم نے یہاں سب سے پہلے آقائے نامدار، مدنی تاجدار، امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین لکھے، جو احادیثِ صحیحہ کے اندر موجود ہیں، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگ میں جلا کر کسی کو سزا دینے سے سختی سے ممانعت فرمائی اور پھر احادیثِ صحیحہ سے یہ واقعہ بھی درج کیا کہ جناب مولائے کائنات حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کچھ مرتدین کو آگ میں جلا دیا۔ شیخِ محقق، حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ''اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ'' میں لکھتے ہیں؛ ''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اجتہاد کی بناء پر ایسا کیا، اُن کی رائے یہ تھی کہ انہیں اور ان جیسے دیگر مفسدوں کی زجر و توبیخ کے لئے اسی میں مصلحت ہے۔ شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں کہ جب ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ بات حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انہوں نے تصدیق کی اور فرمایا ''ابن عباس رضی اللہ عنہ نے درست کہا''۔ اس سے معلوم ہوا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ فعل نص پر نہیں

بلکہ رائے اور اجتہاد پر مبنی تھا‘‘

یہ بات جب ثابت ہوگئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مفسدین کو آگ میں جلانا ان کی رائے کے مطابق تھا اور قولِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہر گز نہ تھا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا علم ہونے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کی تائید اور ان کی تعریف کرنا درحقیقت اپنے عمل کو غیر صائب ماننا ہے۔

اب وہ احباب جو عقیدۂ ’’معصوم عن الخطاء‘‘ کا پرچار کرتے ہیں وہ لوگ ان صحیح اور ثقہ روایات کے سامنے اپنے بے اصل عقیدے کا دِفاع کیسے کر سکتے ہیں، یہاں تو خود مولائے کائنات سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے عمل (مرتدین کو جلا دینا) کو صائب نہیں مان رہے بلکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کو صائب تسلیم کر رہے ہیں۔ اب جو عقیدۂ معصومیت پر یقین رکھتے ہیں وہ بتائیں کہ اگر ان کے نزدیک سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا پہلا عمل صائب ہے تو پھر ان کا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کو درست ماننا کیسا ہے؟ اور اگر آپ کا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی تائید و تحسین والا عمل ہی درست ہے، تو آپ کا پہلا عمل کیسا ہے؟ چونکہ یہ دونوں ایک دوسرے سے متضاد اور مختلف ہیں اور احادیثِ صحیحہ کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ مولا علی رضی اللہ عنہ کا پہلا عمل اور اجتہاد (مرتدین کو جلا دینا) قولِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق و موافق نہیں تو پھر کہاں گیا آپ کا عقیدۂ معصومیت؟

یہاں یہ بات ملحوظ رکھنا بے حد ضروری ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مرتدین کو جلانے کا حکم ذاتی اجتہاد پر دیا تھا اور ان کے پیشِ نظر درحقیقت ان مفسدین اور مرتدین کا قلع قمع کرنا اور دوسروں کے لئے باعثِ عبرت بنانا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ

جب انہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کا علم ہوا تو جناب مولائے کائنات رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد پر ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کو صائب اور فوق مانا۔ یہاں سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کو اگر خطائے اجتہادی کہیں تو نعوذ باللہ اس سے مراد ہرگز خطاء بالمعصیت نہیں بلکہ خطائے نسیان ہوگا کہ اس بارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یا تو ان تک پہنچا ہی نہیں یا آپ کو یاد نہیں رہا۔ رہی بات آپ کے اجتہاد کا صائب نہ ہونا تو اس بارے تو بخاری و مسلم کی متفق علیہ روایت موجود ہے کہ؛

”وعن عبدِ اللّٰهِ بنِ عمرو و ابِی هريرة قالا؛ قال رسول اللّٰهِ صلی اللہ علیہِ وسلم؛ اِذا حكم الحاكِم فاجتهد فاصاب فله اجرانِ واِذا حكم فاجتهد فاخطا فله اجر واحد۔“

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے، دونوں فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب حاکم فیصلہ کرے تو کوشش کرے اور درست فیصلہ کرے تو اس کو دو ثواب ہیں اور جب فیصلہ کرے تو کوشش کرے اور غلطی کرے تو اس کے لیے ایک ثواب ہے۔ (مسلم، بخاری)

یہاں ایک بات انتہائی قابلِ فکر ہے کہ ایک طرف سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کا اجتہاد ہے اور دوسری طرف اس مسئلے پر جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اجتہاد ہے، یہاں کسی اور کی بات نہیں، خود مولا علی رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اجتہاد کو دُرست مانا تو آج تک کسی بھی عقیدۂ معصوم کے حامل فرد کو اس مسئلہ پر تلملاتے ہوئے نہیں دیکھا گیا بلکہ تمامی حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کے آگے سرنگوں ہو جاتے ہیں۔

بعینہٖ اسی طرح باغِ فدک کے مسئلہ پر ایک طرف سیدہ کائنات، جناب فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا اجتہاد اور رائے ہے اور دوسری جانب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا اجتہاد ہے۔اب دیکھا جائے تو سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی نسبت مولا علی رضی اللہ عنہ علم میں زیادہ قوی ہیں اور دوسری جانب حضرت ابن عباس کی نسبت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ زیادہ اعلم، اقرب، افضل، اعلیٰ واولیٰ ہیں تو جب مولائے کائنات رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن عباس کے درمیان اگر ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اجتہاد فوق اور صائب مانا جا سکتا ہے تو پھر سیدۂ کائنات رضی اللہ عنہا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مابین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قول اور اجتہاد صائب اور فائق کیوں نہیں ہوسکتا؟ (سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو کہ اجماعاً حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں) تو ایک انصاف پسند آدمی کے لئے نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں ہو جاتا کہ اس عقیدۂ معصومیت کے جھوٹ کی آڑ میں درحقیقت جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بغض اور کینہ در سینہ ہے اور کچھ نہیں۔

بے شک فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے جگر کا ٹکڑا ہے، مَیں یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ کسی فتنہ میں مبتلا ہو۔

صحیح بخاری کتاب فرض الخمس میں امام زین العابدین بن حسین رضی اللہ عنہما سے روایت مروی ہے:

"ان علی بن حسین حدثه انهم حین قدموا المدینة من عند یزید بن معاویة مقتل حسین بن علی رحمة الله علیه لقیه المسور بن مخرمة فقال له هل لك الی من حاجة تامرنی بها فقلت له لا، فقال له فهل انت معطی سیف

رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم، فانی اخاف ان یغلبك القوم علیه وایم اللّٰہ لئن اعطیتنیه لا یخلص الیھم ابداً حتیٰ تبلغ نفسی، ان علی بن ابی طالب خطب ابنة ابی جھل علی فاطمة رضی اللّٰہ عنھا فسمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یخطب الناس فی ذلك علی منبره ھذا وانا یومئذ محتلم فقال انّ فاطمة منی وانا اتخوف ان تفتن فی دینھا ...... او کما قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔" (بخاری کتاب فرض الخمس حدیث نمبر 2879)

علی بن حسین یعنی امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یزید بن معاویہ سے حسین بن علی کے قتل ہونے پر جب وہ مدینہ میں آئے تو ان سے مِسوَر بن مخرمۃ ملا تو مِسوَر نے حضرت زین العابدین سے کہا: کیا تجھ کو میری طرف سے کچھ حاجت ہے؟ تو مَیں نے اس سے کہا کہ نہیں، تو مِسوَر نے حضرت زین العابدین کو کہا کہ کیا آپ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار دیں گے، بے شک مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ لوگ اس تلوار پر آپ کو غلبہ میں نہ لے لیں (یعنی آپ سے تلوار چھین نہ لیں) اور قسم ہے اللہ کی اگر آپ نے یہ تلوار مجھے دے دی تو جب تک مجھ تک موت نہ پہنچی اس تلوار تک کوئی نہ پہنچ سکے گا، بے شک علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا پر ابوجہل کی بیٹی کو نکاح کا پیغام بھیجا، پس مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معاملہ میں اپنے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے سنا اور مَیں اس وقت بالغ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک فاطمہ مجھ سے ہے اور مَیں ڈرتا ہوں کہ اس کے دین میں فتنہ نہ ڈالا جائے۔

جبکہ مسند احمد بن حنبل میں یہ حدیث اس طرح سے روایت کی گئی ہے:

عن علی بن حسین انّ المسور بن مخرمة اخبره، ان علی بن ابی طالب

خطب ابنة ابی جهل و عندہ فاطمة ابنة النبی صلی اللّٰہ علیہ و آلہٖ وسلم، فلما سمعت بذٰلك فاطمة اتت النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم فقالت لہ: ان قومك یتحدثون انك لا تغضب لبناتك، وھذا علی ناکح ابنة ابی جھل، قال المسور؛ فقام النبی صلی اللّٰہ علیہ و آلہٖ وسلم فسمعتہ حین تشھد، ثم قال (اما بعد! فانی انکحت ابا العاص بن الربیع فحدثنی فصدقنی، وان فاطمة بنت محمد بضعة منی وانا اکرہ ان یفتنوھا، وانھا واللّٰہ لا تجتمع ابنة رسول اللّٰہ وابنة عدواللّٰہ عند رجل واحد ابداً) قال فترك علی الخطبة۔ (مسند احمد 19119)

علی بن حسین بن علی بن ابی طالب (امام زین العابدین) سے مروی ہے کہ حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نے انہیں بتلایا کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی بیٹی کو نکاح کا پیغام بھجوایا، جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ان کی زوجیت میں تھیں، جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات سنی تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائیں اور عرض کی کہ آپ کی قوم باتیں بنائے گی کہ آپ اپنی بیٹیوں کے حق میں کسی کے ساتھ غصہ نہیں کرتے، یہ علی رضی اللہ عنہ ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ مسور رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور خطبہ شہادت پڑھا اور پھر فرمایا: مَیں نے اپنی ایک بیٹی کا نکاح ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ سے کیا، پس اس نے میرے ساتھ کی ہوئی بات پوری کی، بے شک فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے جگر کا ٹکڑا ہے، مَیں یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ کسی فتنہ میں مبتلا ہو۔ اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی کبھی بھی ایک آدمی کی زوجیت میں جمع نہیں ہو سکتیں، یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔

اس روایت کو کئی آئمہ محدثین نے متعدد اسناد کے ساتھ نقل کیا ہے، امام بخاری نے کتاب فرض الخمس، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ اور کتاب النکاح میں، امام مسلم نے کتاب فضائل الصحابہ میں، امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں، ابوداؤد نے کتاب النکاح میں، ابن ماجہ نے بھی کتاب النکاح میں، ترمذی نے کتاب المناقب میں اور حاکم نے کتاب معرفۃ الصحابہ میں نقل کیا ہے۔

درجِ بالا روایت رافضی و تفضیلی ٹولہ کے لئے تیغِ قاتل ہے اور یہ روایت بیک وقت رافضی و تفضیلی ٹولہ کے صرف ایک نہیں کئی عقائد کا سر قلم کرتی ہے؛

(1) سب سے پہلے حدیث کے ان الفاظ پر ذرا غور فرمائیں؛ "ان قومك يتحدثون انك لا تغضب لبناتك" سیدہ فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا اپنے والد نبی کریم ﷺ سے عرض کر رہی ہیں کہ بے شک آپ کی قوم یہ باتیں بنائے گی کہ آپ اپنی "بیٹیوں" کے حق میں کسی سے غصہ نہیں کرتے۔ یہاں سیدہ نے "لبناتك" کا لفظ بولا ہے جس کا معنی ہے بیٹیاں، جو کہ بنت کی جمع ہے، بنت واحد ہے جس کا معنی ہے بیٹی، اب یہاں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے "لبناتك" بول کر رافضیوں کا یہ عقیدہ تار تار کر دیا ہے، جس گمراہ عقیدہ میں وہ رسول اللہ ﷺ کی ایک بیٹی تسلیم کرتے ہیں جبکہ اس روایت میں سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کا ارشاد "لبناتك" صاف بتا رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دو سے زائد بیٹیاں تھیں اور پھر اسی روایت میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانا کہ "انكحت ابی العاص بن الربيع"، مَیں نے اپنی ایک بیٹی کا نکاح ابی العاص بن ربیع سے کیا۔ اہل سنت کے عقیدہ پر مہرِ تصدیق ثبت کر رہا ہے جبکہ اہلِ تشیع اور تفضیلی گمراہ ٹولے کا منہ بند

کر رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ سیّدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے علاوہ کسی اور بیٹی کا تذکرہ زبانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہی ہے کہ جس کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو العاص بن ربیع رضی اللہ عنہ کے ساتھ فرمایا۔

(2) اس روایت میں اب اگلے الفاظ پڑھیں، یہ الفاظ رافضیوں اور تفضیلیوں کے عقیدۂ معصومیت پر بجلیاں گرا رہے ہیں، حدیث کے الفاظ ہیں، ”وانی فاطمة بنت محمد بضعة منی وانا اکره ان یفتنوها“ اور بخاری شریف کی روایت میں الفاظ درج ہیں ”اتخوف ان تفتن فی دینها“۔ اس روایت میں ”وانا اکره ان یفتنوها“ یا ”اتخوف ان تفتن فی دینها“ کے الفاظ انتہائی قابل غور ہیں، امام ابن حجر عسقلانی نے اس کی شرح کرتے ہوئے ساتھ اس طرح لکھا، بے شک فاطمہ میرے بدن کا ٹکڑا ہے اور میں ڈرتا ہوں کہ اس کے دین میں فتنہ نہ ڈالا جائے (یعنی بسبب غیرت طبعی کے کہ بشریت کو لازم ہے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی بیٹی سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ الفاظ ارشاد فرمانا کہ مَیں ناپسند کرتا ہوں اس بات کو کہ میری بیٹی فاطمہ کو فتنہ میں مبتلا کیا جائے یا یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ابو جہل کی بیٹی سے نکاح کی صورت مجھے خوف اس بات کا ہے کہ اس معاملہ سے کہیں میری بیٹی فاطمہ دینی حوالے سے کسی فتنے میں مبتلا نہ ہو جائے۔ مختلف عربی لغات میں فتنہ کا معنیٰ ”آزمائش میں ڈالنا“ مراد لیا گیا ہے۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیٹی سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بابت اس خدشے کا احتمال فرما رہے ہیں کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو جہل کی بیٹی سے نکاح کر لیا تو اندیشہ اور امکان موجود ہے کہ آپ کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا

بشری تقاضے سے کوئی ایسا عمل سرزد نہ کرلیں جو اخلاقی و دینی اعتبار سے اللہ کے ہاں پسندیدہ نہ ہو۔ صاحبِ قاموس نے "فتنه عن دينه" کا معنی لکھا ہے، دین سے ہٹانا چونکہ سیّدۂ کائنات ہر اس معاملے سے محفوظ و مامون ہیں جو فتنۂ دین کا باعث بنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرما دیا کہ "وانا اكره ان يفتنوها" کہ مَیں ہر اُس معاملے کو سخت ناپسند کرتا ہوں جو میری بیٹی فاطمہ کے لئے دینی حوالے سے فتنے کا باعث بننے کا امکان بھی رکھتا ہو۔ اس لئے یہ معاملہ بھی سرزد ہونے سے پہلے ہی منسوخ کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے طیبہ و طاہرہ جنت کی مالکہ و ملکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اندیشہ واحتمال سے محفوظ و مامون رکھا۔

ہم نے کتاب کے آغاز میں معصوم کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "جو شخص اس عصمت کے ساتھ موصوف کیا جاتا ہے اس کے لئے معصیت کی قدرت پیدا نہیں کی جاتی، اسے معصوم کہتے ہیں۔" جبکہ درجِ بالا روایت میں موجود الفاظ "وانا اكره ان يفتنوها" اور "اتخوف ان تفتن في دينها" جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اطہر سے ادا ہوئے، صاف اور واضح انداز میں بتا رہے ہیں کہ غیر نبی میں امکانِ خطاء موجود ہوتا ہے مگر غیر نبی میں جو اعلیٰ ہستیاں ہیں ان کے لئے اللہ ربّ العزت کی طرف سے ایسے تمام افعال و اعمال جو فتنہ دین کا باعث بنیں ان سے محفوظ رکھنے کے انتظامات پہلے سے ہی موجود ہوتے ہیں اور اللہ ربّ العزت ان تمام برگزیدہ ہستیوں کو ایسی کسی آزمائش میں مبتلا ہونے سے پہلے ہی ان سے محفوظ کر لیتا ہے۔ البتہ انبیاء کے علاوہ کسی بھی ہستی سے علمی، فکری، فقہی و اجتہادی معاملات میں غلطی یا نسیان بعید از قیاس نہیں، یہی اہل سنت کا عقیدہ

ہے، جس پر اِس ثقہ روایت نے مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔

(3) قرآنِ مجید میں تعدادِ ازواج کے متعلق واضح حکم ہے "فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ"، تم نکاح کرلو عورتوں سے جو تم کو پسند آئیں، دو سے، تین سے اور چار سے۔ (النساء، آیت نمبر 3)

اس آیتِ قرآنی میں ایک سے زائد چار کی تعداد میں عورتوں سے نکاح کے واضح احکامات ہیں اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک بیوی (سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا) کی موجودگی میں دوسری عورت (ابو جہل کی بیٹی) کو نکاح کا پیغام دینا، ظاہری طور پر شریعت کے خلاف ہرگز نہ تھا، اب یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اس آیت کی رو سے استنباطِ مسئلہ اور ارادہ تھا جبکہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس کے بالکل برعکس حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس ارادے سے منع فرما دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو واضح پیغام دیا کہ رسول خدا ﷺ کی بیٹی اور دشمن خدا کی بیٹی ایک جگہ اکٹھی نہیں ہو سکتیں اور جو لوگ اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لئے معصوم عن الخطاء کا عقیدہ رکھتے ہیں، وہ اپنے اس عقیدے کو یہاں کیسے برقرار رکھ سکتے ہیں؟ اور اس باطل عقیدہ کا دفاع کیونکر کر سکتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو جس ارادے سے منع فرمایا اگر وہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ہاں صائب ہوتا تو منع کیوں فرماتے اور اگر منع فرمایا تو بالیقین وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بارگاہ میں صائب نہیں تھا، تو پھر کہاں گیا آپ کا عقیدہ "معصوم عن الخطاء"؟ اب مان جائیں کہ یہاں بہترین عقیدہ اہل سنت کا ہے "محفوظ عن الخطاء" اور یہاں اس عقیدہ کی حقانیت کس طرح مستبین و مستنیر ہو رہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس عمل اور ارادہ سے روک کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی اس چیز سے محفوظ رکھا کہ مبادا کبھی دشمنِ خدا کی بیٹی جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کی سوکن بنتی تو اس کی وجہ سے شائد کوئی ایسا موقع آ جاتا کہ اپنی بیٹی کی وجہ سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان سے رنجیدہ خاطر ہو جاتے اور ساتھ ساتھ اس نکاح کے وجود میں آنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لختِ جگر سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے لئے "اتخوف ان تفتن فی دینھا" کا احتمال فرمایا تھا، سیدہ پاک کو بھی اس سے نہ صرف دُور کر دیا بلکہ محفوظ کر دیا اور یہی اہل سنت کا سچا اور مبنی برحق عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ یہ جتنی برگزیدہ ہستیاں ہیں یہ اگر چہ معصوم نہیں مگر محفوظ ضرور ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے لئے نفس اور ابلیس کی چالوں سے حفاظت کا مضبوط حصار قائم فرماتا ہے اور ان ہستیوں کے لئے حفاظت کے اسباب اللہ تبارک وتعالیٰ خود ہی عطا فرما دیتا ہے۔

آخری گزارش

ہم نے اس مختصر رسالہ میں طویل گفتگو کو سمیٹ کر جامع مفاہیم پیش کر دیئے مگر سمجھیں گے صرف اہلِ صفا کہ جن کے قلوب واذہان پر مہر نہ ہو اور تائیدِ ایزدی اس کے شاملِ حال ہو۔ہم چاہتے تو ضخیم کتاب مرتب کر دیتے، بیان کی گئی آیات اور روایات کی تفسیر وتشریح میں مفسرین ومحدثین اور متکلمین کی مباحث اور تفصیلات بیان کر کے کتاب کے حجم اور ضخامت میں اضافہ کر دیتے اور دلائلِ قاہرہ باہرہ قاطعہ ساطعہ سے باطل کی گردن مارتے اور ان کے بطلان کا قلع قمع کرتے لیکن عقلمند کے لیے اشارہ کافی ہے۔

فقیر دعا گو ہے، اللہ کریم اپنے محبوب کریم ﷺ کے والضحیٰ چہرے، واللیل زلفوں کے صدقے تمام اہلِ اسلام کو باطل عقائد ونظریات سے ہمیشہ محفوظ و مامون رکھے، افراط وتفریط سے امن میں رکھتے ہوئے حیات وخاتمہ بالایمان وعقیدۂ حقہ پر عطا کرے، آمین بجاہ النبی الکریم۔

پیر سید **اسد اللہ شاہ غالب** نقشبندی مجددی الگیلانی

زیبِ آستانہ عالیہ نوریہ نقشبندیہ مجددیہ چورہ شریف

تقریظ

(پیر محمد ضیاء الحق سیالوی مدظلہٗ)

باسمہٖ سبحانہٗ وتعالیٰ حامداً ومصلیاً ومسلماً

کتاب ''انوار الہدیٰ فی مسئلۃ العصمۃ والخطا'' دیکھی۔ اس میں عقائد حقہ پہ بہت خوب صورت دلائل، تحقیق اور اعتدال کے ساتھ بیان کیے گئے اور ساتھ ساتھ دعوتِ فکر بھی پیش کی گئی۔ اللہ جل مجدہٗ الکریم اپنے حبیبِ رفیع صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے اِسے اہل ایمان کے لیے مفید بنائے اور قبولیتِ عامہ سے نوازے۔ آمین

پیر محمد ضیاء الحق سیالوی

سجادہ نشین آستانہ مقدسہ سیال شریف

مؤرخہ: 22 فروری، 2021ء